ماہنامہ

مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

امت میں اصلاح حال کی کوئی کوشش حقیقی
طور پر اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب
تک علماء اس کے داعی اور علمبردار نہ بنیں اور ان
میں امت کی رہنمائی و قیادت کی صلاحیت پیدا
نہ ہو، اس کیلئے ایک طرف دینی علوم پر حاوی اور
کتاب و سنت کا رمز شناس ہونے کی ضرورت ہے
دوسری طرف حالات زمانہ اور جدید ضرورتوں
سے واقفیت کی۔

(مولانا ابوالحسن علی ندوی)

(وقف) دار العلوم دیوبند

(Waqf) Darul-Uloom, Deoband-247554 (U.P.) India

Dated: ۳ / ۱۱ / ۹۳ء

Ref. No. ....

مدیران محترم ماہنامہ "حیات نو" زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ... موقر رسالہ "حیات نو" نظر نواز ہوا جسے
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

والسلام

[illegible]

مہتمم
وقف دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ — مجلہ

حیات نو بلریاگنج

جلد:- ۹ — جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۱۴ھ — نومبر سنہ ۱۹۹۳ء — **شمارہ:- ۱۱**

بدل اشتراک		مدیر مسئول
سالانہ زر تعاون	۵۰/ روپے	نور محمد فلاحی
طلبہ کیلئے	۴۰/ "	مدیر
خصوصی زر تعاون	۱۰۰/ "	محمد اسماعیل فلاحی
اعزازی زر تعاون	۱۰۰۰/ "	معاون مدیر
غیر ممالک سے زر تعاون	۲۵/ امریکی ڈالر	عبد البر اثری فلاحی
قیمت فی شمارہ	۵/ روپے	

○ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہذا جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ مجلہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱
فون ۱۸–۱۷
خطاط آفسٹ پریس ٹانڈہ - کتابت:- محمد اشفاق عالم مفتاحی
دفتر حیات نو جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ

نقوش حیات نو

صفحہ

- اداریہ۔
حسرت ان غنچوں پہ ہے ..... محمد اسماعیل فلاحی ۲
- بحث و نظر
ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی سیرت نگاری، ڈاکٹر صلاح الدین عمری ۷
ائمہ مساجد کے مسائل اور ان کا حل، بس چہ باید کرد۔ حافظ شہامت علی حفظٓ ارشد تراب علیگ ۲۲،۱۹
- تعلیم و تعلم
توجہ مطلوب ہے، عبدالبر اثری فلاحی ۳۰
- فتاویٰ، شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کے فتوے۔ مترجم ابو مریم فلاحی ۳۲
- سیر و سوانح
مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی ـــ ایک نظر میں۔ ۳۷
مولانا محمد عمران خان حفظہ اللہ فلاحی ـــ ایک نظر میں ۳۸
مولانا رحمت اللہ الاثری حفظہ اللہ فلاحی مدنی ـــ ایک نظر میں ۳۹
- شعر و نغمہ
بارگاہ رب العزت میں، نعت ابو جاوید ذکی، فرحت حسین خوشدل ۲۲،۲۶
غزلیں ایم اے شمسی ورد گھروی، ادریس ضیاء ۱۸، ۲۷
- اخبار علمیہ
مسلم العطر کی کارکردگی، اسلامی کتابوں کی نمائش، صحت و تندرستی پر ..... اسامہ اکرم ۳۵
- جامعہ کے لیل و نہار
صدارت کی تبدیلی، مجلس تعلیمی اور مجلس منتظمہ کے اجلاس، جمعیۃ الطلبہ کا سمینار۔ محمد اسمٰعیل فلاحی ۴۰
- روداد انجمن محمد اسمٰعیل فلاحی ۴۶
- حلقہ یاراں مولانا محمد صاحب حفظہ اللہ مہتمم دارالعلوم وقف، محمد رضوان فلاحی ندوی

ادارید محمد اسمٰعیل فلاحی

حسرت ان غنچوں پہ ہے .....

۸؍اکتوبر ۱۹۹۳ء کو مغرب کی نماز پڑھ کر، خلاف معمول فوراً دسترخوان پر بیٹھا لقمہ ہاتھ میں لیا ہی تھا کہ دیکھا طلبہ کمروں سے نکل کر صدر دروازہ کی طرف بھاگے چلے جارہے ہیں۔ ایک طالب علم میرے پاس دوڑا آیا اور اس نے بتایا کہ جامعہ کا ایک طالب علم فیض الرب متعلم عربی اول گیا، یہاں سے قریب کے گاؤں نصیر پور کے تالاب میں ڈوب گیا ہے۔ ایک جھٹکا سا لگا لقمہ ہاتھ میں رہ گیا، میں بھی بھاگا کا سائیکل تلاش کی، نہ ملی ارشاد احمد صاحب بس کے ڈرائیور موجود تھے صدر جامعہ نیز دیگر اساتذہ اور ذمہ داران بس لیکر فوراً جائے وقوعہ پر پہونچے۔ نائب صدر مولانا محمد عمران خان حفظہ اللہ فلاحی، سکریٹری جمعیت اکرام الرحمٰن اور عربی ہفتم کے طالب علم صداقت حسین پہلے ہی پہونچ چکے تھے اور لاش نکالی جاچکی تھی دیکھا یقین نہ آیا، وہ شریف، سنجیدہ، نظم کا پابند، استاد کو شکایت کا موقع نہ دینے والا طالب علم تھا۔ اس نے ایسی غلطی کیسے کی لیکن تیرنے کا شوق، ایک پاکیزہ جذبہ بلکہ صحیح تر لفظوں میں قضاء و قدر کا فیصلہ اسے یہاں کھینچ لایا تھا اسکے ساتھ؛ اس کے تین ساتھی؛ اس کے اپنے عزیز اور رشتہ دار بھی تھے۔ بلکہ یہ ان ہی کے ہمراہ آیا تھا۔ عصر بعد یہ چاروں چپکے سے تیرنے کے شوق میں ادھر آنکلے تھے۔ ان میں کوئی ایسا نہیں تھا جو صحیح تیرنا جانتا ہو اور ہمیں بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ طلبہ ادھر بھی نہانے آسکتے ہیں۔

۲۷؍اپریل ۱۹۹۱ء کو پہلی بار میرے کمرے میں وہ اپنے بڑے بھائی سید عتیق الرب زکیا بہادر کے ساتھ آیا تھا۔ میرا اس سے پہلے ان دونوں سے کوئی تعارف نہیں تھا شاید وہ ایس آئی او سے تعلق کی وجہ سے جانتے رہے ہوں۔ برادر سید عتیق الرب صاحب ایس آئی او کے نمایاں کارکن رہ چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے بھائی کو حوالہ کرتے ہوئے کہا یہ میرا بھائی ہے

بچے اسے ... میری خواہش ہے یہ دین کا علم حاصل کرے۔ انہیں جلدی تھی،
وہ فیس وغیرہ ... سے پہلے ہی اس سلسلہ کے اخراجات مجھے دیکر چلے گئے۔
بچے کا داخلہ ... میں ہوا۔ بڑا ہونہار سعادتمند اور بااخلاق طالبعلم تھا اب وہ عربی اول
میں پہنچ ہو گیا تھا۔ ایک بار وہ اور اس کے چند ساتھی بیٹھے تھے، یونہی بات چل نکلی
کسی نے کہا ہم لوگوں کی فراغت کے وقت تک ہماری چوکیوں کی قیمت بہت بڑھ
جائے گی اور ہمیں بڑی رقم ملے گی۔ اس نے کہا میں اپنی چوکی کسی غریب اور یتیم بچے کے
لیے چھوڑ جاؤں گا۔ وہ خود یتیم تھا۔ دس سال کی عمر ہی میں اسے یتیمی کا داغ سہنا پڑا تھا۔
اس کی بوڑھی والدہ اس کا سہارا اور اس کے بڑے بھائی اسکے سرپرست تھے۔

اس کے بعض رشتہ دار طلبہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے سلسلے میں غیر مطمئن تھے اسکی تشفی کیلئے
چھٹی میں اس کے بڑے بھائی سید عتیق الرب صاحب نے اس کا مزاج جاننے کیلئے پوچھا اگر تم اسکول
میں پڑھنا چاہتے ہو تو نظم کیا جاسکتا ہے۔ اس کا جواب تھا "میں یکسو ہوں۔ جامعۃ الفلاح
ہی میں تعلیم حاصل کروں گا"۔ چھٹیوں میں اسکی والدہ اس کی بہن کے یہاں بہن کی صحت
کی خرابی کی وجہ سے گئی تھیں۔ گھر والوں نے کہا رک جاؤ والدہ سے ملاقات کر کے جانا۔
یا پھر راستہ میں اورنگ آباد ہے، وہاں والدہ سے ملاقات کرتے ہوئے جاؤ اس نے کہا
"آج ۱۸ ستمبر ۹۳ء ہے۔ درسگاہ کھل رہی ہے۔ تعلیم کا حرج ہوگا ابھی بقرعید میں ملاقات
ہوئی تھی، آئندہ پھر ہوگی میں تو جامعہ جاتا ہوں" اب اسکی ملاقات حشر کے میدان میں ہوگی۔
انشاء اللہ وہ انکی سرخروئی کا ذریعہ ہوگا۔ جامعہ نے اس کا جسد خاکی اس کے گھر پہنچانے کا انتظام
کیا، ساتھ میں راقم کے علاوہ مولانا محمد عمران خان ندوی فلاحی مولانا اشفاق احمد صاحب فلاحی
اور بعض طلبہ تھے۔ اس موقع پر جامعہ کے اطراف کے بزرگوں اور نوجوانوں کا رویہ بھی
مثالی رہا۔ جب ہم اسکی میت کو لیکر اس کے گھر پہنچے ہیں اس کی والدہ نے سلام کہلایا اور
اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا کہ "یہ میری آخری اولاد تھی، ایک آرزو تھی دل میں دین کا
علم حاصل کر لیتا، دین کی خدمت کرتا۔ اب اس کے بعد کوئی اولاد نہیں جسے جامعہ بھیج کر

اپنے ارمان پورے کر سکوں افسوس جامعہ سے ہمارا رشتہ ٹوٹ رہا ہے" ہماری دعا
ہے اللہ تعالیٰ ان کے اس جذبہ کو قبول فرمائے۔ پسماندگان کو صبر کی توفیق دے۔ پسماندگان
میں جامعۃ الفلاح بھی شامل ہے۔ اور مرنے والے کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

ایک المناک اور غیر متوقع حادثہ تھا جو ہو گیا۔ اس سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہیے
یہ صحیح ہے کہ تیراکی کی فضیلت آئی ہے۔ اسلام نے تیر اندازی، گھوڑ سواری اور تیراکی کو پسند
کیا ہے۔ ممکن ہو تو اس کا ضرور نظم ہونا چاہیے۔ جابر بن عمیر انصاری کی روایت کے مطابق

كل شيء ليس من ذكر الله عز وجل فهو لهو الا اربع خصال، مشي الرجل بين الغرضين وتاديبه فرسه وملاعبة اهله وتعلم السباحة ـ

ہر وہ چیز جو اللہ عز وجل کے ذکر سے تعلق نہ رکھتی ہو اس کا شمار لہو ولعب میں ہے۔ چار چیزیں مستثنیٰ ہیں آدمی تیر اندازی کیلئے دو نشانوں کے درمیان دوڑے، گھوڑے کی تربیت کرے اپنے اہل و اولاد کی دل بستگی کرے اور تیراکی سیکھے

(المعجم الکبیر للطبرانی ج دوم ص۱۹۳)

لیکن اس کے باوجود جہاں نظم نہ ہو سکتا ہو، یا جہاں مناسب نہ ہو، وہاں بزرگوں
اور سرپرستوں کے مشورے بغیر اس طرح کا قدم اٹھانا مناسب نہیں، ہمارے بڑوں نے جو
ہمارے مخلص اور خیر خواہ ہیں، ہماری بھلائی کے لیے جو ضابطے بنائے ہیں، اور جو نظام الاوقات
تجویز کیا ہے اس میں ہماری ہی بھلائی ہے، بزرگوں اور اساتذہ کے مشوروں
کا ہمیشہ ہر حال میں احترام ہونا چاہیے۔ کبھی کبھی ایک بار کی نافرمانی
یا ان سے چھپ کر کوئی کام بڑے بھیانک اور سنگین نتائج کا سبب بن جاتا ہے
کاش ہم عبرت حاصل کر سکتے۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

بارگاہ رب العزت میں

ابو جاوید بزمی
جامعۃ الفلاح بلریا گنج
اعظم گڑھ۔

رسوا جہاں میں اب غمِ پنہاں ہے اے خدا
دل کا ہر ایک زخم نمایاں ہے اے خدا

یہ سرگذشت درد فراواں ہے اے خدا
اب پارہ پارہ قلبِ مسلماں ہے اے خدا

برہم مزاجِ گردشِ دوراں ہے اے خدا
ہم سے ترا کرم بھی گریزاں ہے اے خدا

دشمن ہمارے حال پہ خنداں ہے اے خدا
شکوہ بلب پھر آج مسلماں ہے اے خدا

اک خامہ ہے شکستہ کہ جو ہاتھوں میں رہ گیا
اک ناطقہ جو سر بگریباں ہے اے خدا

فتح و ظفر کا مژدہ ہے اغیار کے لئے
اپنے لیے شکست کا ساماں ہے اے خدا

مانا ترے کرم کے سزاوار ہم نہیں
پھر بھی ترا کرم ہو تو احساں ہے اے خدا

سینوں میں اپنے ہے وہی توحید کی متاع
ہاتھوں میں آج بھی ترا قرآں ہے اے خدا

ہر چند تیرے دیں کا وفادار تو نہیں
پھر بھی ترا گواہ مسلماں ہے اے خدا

کچھ خوش نصیب مٹ بھی گئے تیرے نام پر
کتنوں کے دل میں مٹنے کا ارماں ہے اے خدا

یہ شامتِ اعمال ہے یا مصلحت کوئی
خوابِ سحر جو خواب پریشاں ہے اے خدا

احساس زخم خوردہ ہیں جذبات دم بخود
شہرِ خیال شہرِ خموشاں ہے اے خدا

کشتی کہیں امید کی اب ڈوب ہی نہ جائے
"ہندوتو" کا بڑھا ہوا طوفاں ہے اے خدا

برباد سوگوار ہے کاشانۂ حیات
غیروں کے گھر میں جشنِ چراغاں ہے اے خدا

امت ترے حبیبؐ کی ہے اور کیا کہیں
بس تو ہی اسکے حال کا پرساں ہے اے خدا

باطن میں یہ حریف ہے اک فتنۂ عظیم
ظاہر میں گو حقیر سا عنواں ہے اے خدا

اک بار زورِ حیدرؓ و فاروقؓ بخش دے
امت کے درد کا یہی درماں ہے اے خدا

بزمی اگرچہ فتح سے مایوس تو نہیں
لیکن شکست سے تو پشیماں ہے اے خدا

محمد صلاح الدین عمری

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی سیرت نگاری

"کیا حرج ہے اگر ہم مسلمانوں سے ایسی میٹھی میٹھی باتیں کریں جو انکو یہ خبر دیں کہ پرندوں اور جانوروں کی اقوام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت اس مسئلہ پر جھگڑ رہی تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کون کرے۔ لیکن سب کی کوششوں پر پانی پھر گیا، کیونکہ یہ فیصلہ پہلے ہی ہو چکا تھا کہ رضاعت نبیؐ حلیمہ سعدیہ کے حصہ میں آئے گی۔! یا مسلمانوں کا اس خبر کو سننے میں کیا حرج ہے کہ جن وانس اور حیوان و نجوم نے پیدائش نبیؐ پر ایک دوسرے کو بشارت دی! درخت سرسبز ہو گیا، اور آسمان زمین سے اتنا قریب آگیا کہ زمین نے اس کے جسم کریم کو مس کیا..... ان میں سے اگرچہ کوئی بھی بات صحیح نہیں ہے، لیکن لوگ یہی سب سننا پسند کرتے ہیں ان سب باتوں کے بارے میں گفتگو کرنا اور ان کو سننا نبیؐ کی تمجید سمجھتے ہیں۔ لہذا ایسی باتوں کو ان کے سامنے پیش کرنے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔"[1]

یہ ہے طٰہٰ حسین کا موقف سیرت رسولؐ جیسے اہم اور سنجیدہ موضوع کے سلسلہ میں۔ اور تقریباً اسی موقف کے پیش نظر چھوٹی تقطیع کے ۷۰۰ صفحات پر مشتمل تین حصوں میں انکی کتاب "علی ہامش السیرۃ" ۱۹۳۳ء میں منظر عام پر آئی۔ جس کے مقدمہ میں انہوں نے اپنے

---

[1] ملاحظہ ہو طٰہٰ حسین کا رد عمل، کسی مصری وزیر کی اس خواہش پر کہ سیرت رسولؐ کو خرافات و اساطیر سے پاک کر کے مسلم عوام کے سامنے پیش کیا جانا چاہئے جس کے لئے اس نے اس اہم موضوع پر کام کرنے کیلئے انعام کا اعلان کیا تھا۔ طٰہٰ حسین کو وزیر کا یہ اقدام پسند نہ آیا اور انہوں نے اپنی سند رجعیا دے پیش کی، جو جریدہ (الوادی) یکم اگست ۱۹۳۲ء کے شمارہ میں شائع ہوئی۔ دیکھئے محمود مہدی: طٰہٰ حسین فی میزان العلماء والادباء ص ۲۷ (حاشیہ از مترجم برمقالہ فارسی التوبہ)

اسی نظریہ کو پیش کیا ہے جس کو وہ کئی سال قبل جریدہ (الوادی) کے صفحات میں پیش کر چکے تھے دلچسپ بات یہ ہے کہ فی الادب الجاہلی (۱۹۲۰) اور مستقبل الثقافۃ فی مصر (۱۹۳۰،۳۹) جیسی کتب میں انہوں نے جس موضوعیت (Objectivity) اور علمیت کو انتہائی شدت سے اپنایا تھا کہ نہ صرف جاہلی شاعری بلکہ قرآن، نبوت، دینی امور اور تاریخی حقائق بھی محفوظ نہ رہ سکے تھے اسی موضوعیت اور علمیت کا مقام اس کتاب میں جذباتیت اور افسانویت نے لے لیا ہے۔ چنانچہ مقصد تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ سیرت رسول کے واقعات کو اسی طرح لذت و سرور حاصل کرنے اور بعد کے ادبا اور شعراء کو اپنی ادبی و قصصی اختراعات پیش کرنے کا وسیلہ سمجھتے ہیں جس طرح یونانی ادب کے اساطیر، وہ یونانی ادب کے اساطیر کے آغاز و ارتقاء اور اس کے اسباب پر گفتگو کرنے کے بعد عربی ادب میں بھی اسی قسم کے اساطیری ادب کو اجاگر کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک جاہلی دور کے اخبار و احادیث کو اسی طرح الہامی حیثیت حاصل ہے جس طرح یونانی اساطیر کو جن کو قصاص نے قصہ نگاری کے مختلف رنگوں میں پیش کیا۔ اور سیرت کے سلسلہ میں بھی یہی بات کہی جانی چاہئے۔ جس نے اسلامی ادوار اور اسلامی ممالک کے ادباء و شعراء کو الہام کیا ہے، اور انہوں نے سیرت کے واقعات کی مختلف رنگ و آہنگ میں تصویر کشی کی ہے، جس میں قوت و ضعف اور زشتی و جمال کی خوبیاں مختلف انداز میں سامنے آتی ہیں [1]

طہٰ حسین کے نزدیک سیرت کے چند پہلو عقل کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے، لہٰذا اس موضوع پر لکھتے وقت، اپنے ان ہمنواؤں سے معذرت خواہ ہیں جو عقل کو مقدم رکھتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ، بعض پہلو عقل سے متناقض ہیں اور عقل پر پورے نہیں اترتے اس لئے وہ لوگ یقیناً انقباض محسوس کریں گے جو عقل کو ہر شئی پر فوقیت دیتے ہیں، عقل پر ہی اعتقاد کرتے ہیں اور عقل کے علاوہ کسی شئی سے مطمئن نہیں ہوتے [2]، لیکن طہٰ حسین

---

[1] طہٰ حسین، مقدمہ علی ہامش السیرۃ ص (ج) الطبعۃ الثلاثون

[2] طہٰ حسین، مقدمہ علی ہامش السیرۃ ص (ی)

ان کو یہ نکتہ سمجھا کر مطمئن کرنا چاہتے ہیں کہ، "اگرچہ ان اخبار و احادیث سے عقل مطمئن نہیں ہوتی اور علمی اسالیب ان اخبار کے خلاف فیصلہ صادر کرتے ہیں، یہ منطقی اسلوب پر بھی پورے نہیں اترتے، لیکن عوام اپنے شعور و عواطف، احساسات و میلانات سادگی پسند طبائع اور جبر حیات سے تھک کر آرام و تسکین کے تقاضوں کے تحت اسی قسم کے اخبار کو پڑھنا پسند کرتے ہیں، اور مشقات حیات سے بوجھل ہونے کے بعد ان کو جسمانی آرام و ذہنی سکون کی تلاش ہوتی ہے جو اسی قسم کے ادب میں ہی مل سکتا ہے" [1] وہ اپنی صفائی بھی دیتے چلتے ہیں کہ میں ان اخبار کو اس دعوی کے ساتھ نہیں لکھ رہا ہوں کہ یہ عقلی و علمی معیار اور مناہج بحث کے مطابق ہیں، میرا تخاطب تو قلب و شعور سے ہے کہ اسی قسم کے اخبار سے عواطف خیر ابھرتے اور بواعث شر دبتے ہیں، یہ وقت گذاری کا ذریعہ اور اثقال حیات و تکالیف عیش کے احساس کو ہلکا کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں [2] آگے وہ اس کتاب میں اپنے منہج تالیف کو بھی واضح کر دیتے ہیں کہ "اس کتاب کی تالیف کرنے کے وقت، جہاں تک قصہ نگاری کا سوال ہے، میں نے خوب وسعت سے کام لیا ہے، اور جہاں میں نے کوئی حرج محسوس نہیں کیا وہاں اختراع حدیث اور روایت اخبار میں اپنے نفس کو پوری آزادی دیدی ہے۔ الا یہ کہ جہاں احادیث و اخبار نبی کی شخصیت یا دین کے کسی پہلو سے متعلق ہیں وہاں میں نے نفس کو کسی حریت و وسعت کی اجازت نہیں دی بلکہ متقدمین سیرت نگاروں، رجال روایت اور علماء دین کی روشنی اختیار کی ہے" [3] ان کے مصادر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اس قدیم الاصل جدید الصورۃ کتاب کے مصادر سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد اور تاریخ طبری سے متجاوز نہیں ان کی کوئی فصل، کوئی خبر اور کوئی حدیث ایسی نہیں بلا مذکورہ کتب میں موجود کسی خبر کے ارد گرد

---

[1] طہٰ حسین مقدمہ علی ہامش السیرۃ ص (ی و ک)

[2] ایضاً " " " " " (ل)

[3] طہٰ حسین " " " " "

منسوب ہو۔ اگر کوئی خبر شخصیت نبیؐ سے متعلق ہے تو ہیں نے اس کے ماخذ کا ذکر کر دیا ہے۔[۱]
چنانچہ پوری کتاب میں مذکورہ حوالوں کی کل تعداد انیس ہے[۲]۔ دیگر مقامات پر اگرچہ ماخذ کے ذکر کا التزام نہیں کیا گیا ہے لیکن بیشتر اخبار و احادیث انہیں مذکورہ کتب سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً پیدائش رسولؐ کی تفصیلات، اسلام حمزہ، شعب ابی طالب میں محصوری طبقات اور سیرۃ ابن ہشام سے ماخوذ ہیں۔ بناء کعبہ میں باخوم مصری کے حصہ لینے کے واقعہ کو سیرت ابن ہشام سے اخذ کیا ہے۔ اسی طرح رسولؐ کو قتل کئے جانے کی سازش اور ابوجہل کی سربراہی میں کفار کے محاصرہ اور ناکامی کے واقعہ کو نیز ابوجہل کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرعوبیت کے واقعات بھی سیرت ابن ہشام سے ماخوذ ہیں۔ شق صدر کے واقعہ کو تاریخ طبری سے نقل کیا ہے۔

علی ہامش السیرۃ کی ترتیب و تنسیق میں اگرچہ تاریخی ذمہ داری کو پوری طرح نبھانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن اس کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد قاری یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ افسانوی طرز پر مذکورہ تالیف میں قوت خیال کی بھرپور کارفرمائی ہے جس کی وجہ سے اس کا اسلوب نگارش اس دور کے نقوش اجاگر کرتا ہوا ضرور نظر آتا ہے لیکن اکثر مقامات پر اصل موضوع عبارت آرائی اور تطویل کے الجھاؤ میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ مؤلف نے رسولؐ کو تمام انسانی خصوصیات اور اعلیٰ اقدار سے متصف انسان کی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کوشش میں چونکہ کماحقہٗ احترام نبیؐ کو ملحوظ نہ رکھ کر عنان خیال کو دراز کیا ہے لہٰذا شخصیت نبی نکھر کر سامنے نہیں آسکی ہے، بلکہ بسا اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سیرت نگار کی سیرت نبوی پر نہیں بلکہ اخبار و واقعات کو اپنے قصصی فنی اسلوب کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش پر مرکوز ہے۔

---

[۱] طہ حسین: مقدمہ علی ہامش السیرۃ ص (ک)

[۲] طبقات ابن سعد کی ۱۰، سیرت ابن ہشام کی ۳، تاریخ طبری کی ۳، اصابہ کی ۲ اور کشاف ۱

چنانچہ پیدائش رسولؐ کے وقت کی منظر کشی کرتے ہوئے انہوں نے مناظر اور حوادث میں جو رنگ آمیزی کی ہے اور اپنے تخیلات کا سلسلہ دراز کرتے ہوئے جس دلکش اور حسین اسلوب کو اپنا کر عبدالمطلب اور آمنہ کے احساسات کی تجسیم کی ہے وہ افسانوی ادب میں تو یقیناً ایک اچھوتی کوشش ہو سکتی ہے لیکن تاریخی اور واقعاتی اعتبار سے اسے کوئی معتبر سند حاصل نہیں۔ مثلاً آسمان کے ستاروں کا زمین سے قریب آنا اور اتنا قریب آنا کہ دیکھنے والی کو اپنے اوپر گر پڑنے یا اپنے جسم سے چھو جانے کا خوف ہونے لگے۔ اسی طرح آسمان کا زمین سے قریب آنا، حضرت آمنہ کی آنکھوں سے سارے حجاب اٹھ جانا، اور ان کا بیداری میں اپنے اندر سے نور نکلتے ہوئے دیکھنا وغیرہ[۱]، یا عقیقہ کے وقت عبدالمطلب کا اونٹ ذبح کر کے نہ صرف مکہ والوں کی دعوت کرنا بلکہ پہاڑوں پر گوشت رکھوانا تاکہ جانور بھی دعوت میں شریک ہو سکیں، اور پھر مؤلف کا اس پر یہ تبصرہ کہ عبدالمطلب اپنے اس عمل سے انسانوں کیلئے نعمت اور درندوں کیلئے مصیبت ثابت ہوئے[۲]۔

اس طرح نفسیاتی احساسات، ذہنی رجحانات اور داخلی جذبات کی احساساتی تصویر کشی کرتے ہوئے وہ اپنے اسلوب میں موسیقیت، ترنم اور روانی کا سہارا لیکر جس آہستہ روی سے تکرار اور مترادفات کا استعمال کرتے ہیں وہ اگرچہ ایک فنکار اور ادیب کی حیثیت سے انکی اہم خوبی ہے لیکن اسی خوبی کو جب وہ مثال کے طور پر اپنی کتاب کی ایک فصل "راعی الغنم" میں حضرت خدیجہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ کے بیان میں اپناتے ہیں تو تاریخ بالخصوص اسلامی تاریخ کے ایک طالب

---

[۱] محمد الغزالی نے اپنی کتاب فقہ السیرۃ میں لکھا ہے کہ محمدؐ کی پیدائش عام انداز کی تھی، اس وقت کوئی بھی ایسا واقعہ نہیں ہوا جو منظروں کی توجہ اور حیرت کا سبب ہوتا۔ انہوں نے مزید لکھا ہے کہ جو لوگ ان غیر طبعی امور کے واقع ہونے کا تذکرہ کرتے ہیں وہ دراصل صحیح فکر کے غلط تعبیر کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ (فقہ السیرۃ ص ۴۵-۴۶ طبع ۱۹۵۳ء)

[۲] علی ہامش السیرۃ ج ۱ ورکی: صفحہ ۱۴۷-۱۵۰

علم کو اسمیں علاوہ غیر ضروری تکرار اور اکتا دینے والی تطویل کے کچھ نظر نہیں آتا۔ اس فصل کو انہوں نے اکاون صفحات پر پھیلایا ہے اور آخر میں طبقات ابن سعد کی صرف ایک روایت کا حوالہ دیکر گویا خود کو پورے قصص اور ڈرامائی بیان کی ذمہ داری سے بری قرار دیدیا ہے۔ اس پوری فصل میں حضرت خدیجہؓ کو ابتدا ہی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے تئیں بے خود، آپکے عادات واطوار پر فریفتہ، اور انہیں کے الفاظ میں محمد کی شخصیت کی گرویدہ اور محبت میں گرفتار بنایا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس واقعہ کو لکھتے وقت انہوں نے اپنے تخیلات کی بنیاد پر بنائی ہوئی تصویر کو اپنے قصصی اسلوب کا ایسا زرنار جامہ پہنایا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی اصل تصویر پس منظر میں چلی گئی۔ حضرت خدیجہ کو اپنے افسانوی پلاٹ میں ایسے کردار کی صورت میں پیش کیا ہے اور ان کے قلب میں انہوں نے وہ احساسات پڑھ لیے ہیں کہ کسی عام صحت مند فکر رکھنے والے کی حقیقی زندگی میں ہی ایسے احساسات نہ پنپتے ہوں گے۔ حضرت خدیجہ کے قلبی احساسات وعواطف کی منظر کشی کے بعد لکھتے ہیں کہ اسی محبت ومیلان کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے آپؐ کو اپنے تجارتی سامان کے ساتھ دوگنی اجرت پر بھیجنے کی پیشکش کی لیکن بھیجنے کے چند دن کا عیش اور راتوں کی نیند کھو بیٹھیں جس کی وجہ یہی جذب وشوق کا تعلق اور اپنی آرزوؤں کے مرکز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں سفر کی صعوبتوں اور خطرات کا اندیشہ تھا وہاں سے واپسی کے بعد وہ لمحہ آہی گیا جب حضرت خدیجہ اپنے اندر چھپے ہوئے جذبہ کو چھپانے پر قادر نہ رہ سکیں اور اپنے قریب موجود خادمہ سے شیفتگی، بےخودی اور عقیدت سے سرشار ہو کر نرم آواز میں بول اٹھیں کہ۔ ۔ ۔ اس سے قبل تم سب نے مجھے اس (نوجوان) سے بے رغبتی دلائی تھی اور مجھے اپنے ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اب تم اپنی کوششوں میں کامیاب[1]

یہی افسانوی اسلوب طٰہٰ حسین نے حضرت زینب بنت جحش سے رسولِ مقبول

[1] علی ہامش السیرۃ ص ۱۰

صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنایا ہے۔ لیکن جب ان کو معتبر روایات اور کتب حدیث وتفسیر میں اپنی تعبیر کی کوئی تصدیق نظر نہ آئی تو حب رسولؐ کا جواز اللہ کے فیصلے سے پیش کر دیا کہ نظام متبنی کو ختم کرنے کیلئے اللہ نے ہی رسولؐ، زیدؓ اور مومنین صالحین سب کو امتحان میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ اس طرح کہ قلب نبیؐ میں زیدؓ کی بیوی زینب سے محبت کا جذبہ پیدا کر دیا، اور زید کے قلب میں زینب سے نفرت پیدا کر دی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس صورت حال سے سخت پریشان تھے، چنانچہ خود کو پوری طرح روکے اور زینب سے محبت کے ان احساسات کو جھٹلانے اور بھلانے کی کوشش کرتے اور زید کو طلاق سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن اللہ نے وہ سب عیاں کر دیا جو آپؐ کا قلب چھپائے ہوئے تھا، اور زید کو طلاق نہ دینے کی ہدایت پر رسول کی تنبیہ کی اور فرمایا۔۔۔ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ الخ (سورۃ الاحزاب/۳۷) چنانچہ زیدؓ زینبؓ کو طلاق دیدیتے ہیں، نبیؐ زینب سے شادی کر لیتے ہیں اور منافقین اور جن کے دلوں میں کھوٹ تھا وہ اس سلسلہ میں چہ میگوئیاں کرنے لگ جاتے ہیں، لیکن زیدؓ اور محمدؐ کے درمیان حب خالص اس سخت آزمائش سے کامیاب و سرخرو ہو کر نکل آتا ہے۔ مومنین صادقین نے بھی اس آزمائش کا مقابلہ اسی طرح اخلاص اور رضا کی کیفیت میں کیا جس طرح اس سے قبل اللہ کے امر کو قبول کرتے آئے تھے اور انکے قلوب مطمئن ہو گئے[1]

حالانکہ جمہور مفسرین نے مذکورہ آیت کی اس قسم کی تفسیر کو رد کر دیا ہے اور ان روایات کے بے اصل ہونے کی بات کہی ہے جو یہ تفسیر کرتی ہیں۔ ابن کثیر نے تو اس فضول تفسیر کو ذکر کرنا تک پسند نہیں کیا ہے۔ صاحب تدبر نے تو تردید کیلئے بھی ان روایات کو نقل کرنا معصیت شمار کیا ہے[2]

[1] علی ہامش السیرۃ ج ۳ ص ۲۲۷ – ۲۲۸

[2] امین احسن اصلاحی: تدبر قرآن ج ۵ تفسیر سورۃ الاحزاب

مؤلف کو چونکہ سیرت کے واقعات عقل کی کسوٹی پر پورے اترتے نظر نہیں آتے اور وہ صرف تفریح طبع کیلئے ان واقعات کو اساطیری اسلوب میں لکھنے کے حق میں ہیں، لہذا شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کتاب میں وہ علمیت کا دامن چھوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور ہر ایسے موقع پر جہاں اختلاف روایات ہے یا کوئی ایسا تسلسل ہے کہ بغیر تمام اہم اور ثقہ روایات کو سامنے رکھے کسی نتیجہ پر پہونچنا علمی ضعف ہے وہ صرف اسی روایت کو بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس سے انکی نظر میں کسی حد تک عقلیت سے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ چنانچہ وحی کی ابتداء کے سلسلہ میں انہوں نے جو ایک روایت بیان کی ہے وہ سیرت ابن ہشام سے ماخوذ ہے[۱] جس کا حوالہ بھی مؤلف نے دیا ہے اور اس کے مطابق پہلی وحی خواب کی حالت میں آئی۔ مؤلف نے اول تو اس روایت کو ورقہ بن نوفل کی زبانی بیان کیا ہے۔ جو مؤلف کے مطابق، ورقہ بن نوفل نے خدیجہؓ سے سن کر اپنے گھر میں رات کے وقت شراب کی محفل میں نسطاس رومی سے بیان کی۔ دوسرے انہوں نے دیگر ان روایات سے صرف نظر کیا ہے جو پہلی وحی کا بیداری کی حالت میں آنا ثابت کرتی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے جو تفصیلی حدیث مروی ہے، اس کے مطابق آپ پر پہلی وحی بیداری کی حالت میں آئی۔[۲] ابن کثیر اس پہلی روایت کو نقل کر کے کہتے ہیں کہ یہ خواب میں جبرئیلؑ کا آ کر ایک ریشمی کپڑے میں لکھی ہوئی تحریر رسول کو دکھانا جس میں سورہ علق کی ابتدائی آیات لکھی ہوئی تھیں رسولؐ سے پڑھنے کیلئے کہنا۔۔۔ الخ گویا تمہید تھی اس معاملہ کی جو جاگنے کے بعد بیداری میں پیش آیا، جس کا ذکر حضرت عائشہؓ والی حدیث میں آیا ہے[۳]

اسی طرح نبوت ملنے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احساسات کی نقشہ کشی کرنے میں بھی مؤلف نے خاصی رنگ آمیزی کی ہے اور اس احساساتی تصویر میں انہوں

۱ ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۵۴، دار الفکر
۲ صحیح بخاری، باب بدء الوحی
۳ ابو الاعلیٰ مودودی: سیرت سرور عالم ج دوم ص ۱۳۲

نے رسولؐ کے افکار و جذبات بھی چڑھا لئے ہیں۔ چنانچہ ورقہ بن نوفل کی زبانی لکھتے ہیں کہ محمد پر اچانک فرشتہ نہیں آنے لگا اور نہ اچانک ان پر وحی نازل ہونے لگی۔ بلکہ اس کیلئے ان کو آہستہ آہستہ تیار کیا گیا، اس حد تک کہ محمدؐ کو خود سے سوءِ ظن ہونے لگا۔ ابتداء میں جب وہ اپنے رب کی نشانیاں دیکھتے تو سمجھتے کہ مجھے کوئی بیماری ہو گئی ہے۔ شروع میں ان کو سچے خواب دکھائے گئے۔۔۔۔ پھر آپ خلوت پسند ہو گئے۔۔۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد اس خلوت سے اکتا گئے اور ان کے قلب میں شکوک و شبہات نے سر ابھارنا شروع کیا، خلوت کی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی، رات و دن کا فرق ختم ہو گیا، اب ان کو ہر طرف سے نور گھیرے رہتا، خواہ چمکتے ہوئے سورج کی روشنی ہو یا رات کی تاریکی، آخر کار وہ سکون و خاموشی کھو بیٹھے، جب بھی چلتے، ہر طرف سے دلکش سرگوشیاں سنائی دیتیں، درختوں، پتھروں، میدانوں، ہواؤں الغرض ہر شئی سے ان کو سرگوشی سنائی دیتی، حتی کہ آپ خاصے پریشان ہو گئے اور ایک روز حیران و پریشان ہو کر خدیجہ کے پاس آئے اور بولے خدیجہ تم جانتی ہو میں ان بتوں کو کتنا ناپسند کرتا ہوں جنکی یہ عرب پرستش کرتے ہیں اور اس کہانت کو کتنا برا سمجھتا ہوں جس سے عرب آشنا مانوس ہیں، اس کے باوجود میں کچھ ناپسندیدہ باتیں محسوس کرتا ہوں اور مجھے خوف ہے کہ مجھے کوئی مرض لاحق ہو جائے گا یا میں کاہن ہو جاؤں گا۔ اس حالت میں خدیجہ نے آپ کو سنبھالا اور تسلی دی کہ آپ اپنے رب کے معزز اور قابل ترجیح بندے ہیں، اللہ آپ سے ایسا کوئی سلوک نہیں کریگا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، اور نیکی کرتے ہیں تا آنکہ وہ دن آ گیا جس روز آپ کو نبوت ملی۔ مؤلف کے اس پورے بیان کا مرکزی خیال طبقات ابن سعد میں مروی وہ چار روایات ہیں جو بالترتیب حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عروہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہیں۔ یہ روایات کو ورقہ بن نوفل کی زبان سے مؤلف نے اس کو قصصی رنگ میں پیش کیا ہے۔

اسی طرح حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب

۱ علی ھامش السیرۃ ج ۲ ص ۵۰
۲ ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۹۴ - ۱۹۵ (بیروت ۱۹۶۰)

حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آئے اور ان کو عبداللہ بن جدعان کی باندی نے ابوجہل کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدسلوکی کی خبر دی تو حضرت حمزہؓ نے اسکو جاکر مسجد میں دھر پکڑا اور اس کے سر پر سخت ضرب لگائی۔ اس پوری تفصیل کے راوی قصہ (جس کا نام مؤلف نے نہیں دیا ہے بلکہ صرف شیخ لکھا ہے) شیخ کی رائے میں مذکورہ باندی عشقیہ معاملات میں ملوث رہتی تھی اور ابوجہل نے اس سے قدیل اعتراض حالت میں لطف اندوز ہونے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے ابوجہل کو سختی سے روک کر شرمندہ کر دیا تھا۔ ابوجہل کی یہ حرکت گذرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لی جو بہرحال اشراف قریش کے شایان شان نہ تھی چنانچہ شرمندگی کی جھنجلاہٹ میں اس نے رسول سے بدکلامی کرنی شروع کر دی۔ لیکن چونکہ رسول کو اللہ نے اعراض کا حکم دے رکھا تھا، لہذا آپؐ ابوجہل کی اذیت ناک باتوں کو سنتے ہوئے خاموشی سے گذر گئے۔ باندی پر آپؐ کے اس موقف کا شدید اثر ہوا اور اس نے حضرت حمزہؓ سے سب کچھ کہہ سنایا۔ ابوجہل اس وقت شرمندگی اور ذلت کے احساس تلے دبا قریش کی محفل میں جا پہونچا تھا، حضرت حمزہؓ نے جب اس کو دھر پکڑا تو بنو مخزوم ابوجہل کی طرف سے دفاع کیلئے پوری طرح تیار ہو گئے لیکن ابوجہل نے ان سبھوں کو یہ کہہ کر روک دیا کہ ابو عمارہ کو چھوڑ دو، میں نے ہی اس کے بھتیجے کو سخت وسست کہا تھا۔ درحقیقت اس نے اس معاملہ کو اس لئے رفع دفع کرنے کی کوشش کی تھی کہ مبادا بات بڑھنے کی صورت میں اس کی اس شرمناک حرکت کا علم کسی کو نہ ہو جائے۔ اگرچہ بنی مخزوم اس کے اس موقف کو اس کے ایثار اور انصاف نفس پر محمول کرتے رہے۔[۱]

معجزات کے بارے میں طٰہٰ حسین اپنا نظریہ حنظلہ بن عمیر الخزاعی کے اس بیان کے ذریعہ واضح کرتے ہیں کہ "وہ (رسول) ایک ایسے شخص تھے جن سے ان کے مخالفین اور دشمن معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ لیکن آپؐ معجزات سے اپنی برأت کا اظہار کرتے

[۱] علی ہامش السیرۃ ج ۳، ص ۱۱۸-۱۱۹

اور اعلان کرتے کہ وہ انہیں جیسے بشر ہیں۔ آپؐ کو اس لئے نہیں بھیجا گیا تھا کہ وہ عظیم واقعات کے ذریعہ عقلوں کو حیران کر دیں، آپ کو تو اس لئے مبعوث کیا گیا تھا کہ لوگوں کے سامنے قرآن کی تلاوت کریں، انکی عقلوں کو ہدایت سے بھر دیں اور ان کے قلوب کو حجت وخیر کا شعور عطا کریں۔ لیکن آپکا معاملہ حیرت افزا اور مسحور کن معجزات سے کبھی خالی نہیں، بغیر اس کے کہ طبیعت اشیاء میں فی نفسہ کوئی حادثہ رونما ہو، یا مالوف طریقہ سے تجاوز کرے۔ آپکے معجزات ایسے ممتاز معجزات ہیں جن کو لوگ مالوف اور عام نظر سے دیکھتے ہیں، اور منکرین ان کو نادر و باہر شکل میں مخالفین کو خاموش و عاجز کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں محمدؐ ایک ایسے شخص تھے جو دیگر اشخاص کی مانند نہیں تھے۔ وہ بشر تھے لیکن اپنی ان عادات وخصائل کی بنا پر لوگوں میں ممتاز تھے جن کو میرا قلب محسوس کرتا اور عقل تصدیق کرتی ہے لیکن میں انکی تصویر کشی نہیں کر سکتا۔"[۱]

سیرت نبویؐ کو طٰہٰ حسین نے اساطیری ادب کا مواد قرار دیکر مؤلفین وادباء سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ بھی سیرت کے واقعات سے اسی طرح محظوظ ہوں جس طرح یورپ کے ادباء یونانی اساطیر سے محظوظ ہوئے۔[۲] اسطرح گویا انہوں نے ان ہمارے علماء سلف کی کوششوں پر پانی پھیرنے کی کوشش کی ہے جنہوں نے سیرت رسولؐ کو اساطیر و خرافات اور اسرائیلی روایات سے پاک وصاف کرنے کیلئے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔ اگر ان علماء اور سیرت نگاروں کی تالیفات میں ہم کو کہیں لفظی حسن اور اسلوب کی رعنائی نظر آتی ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ان کا مقصد ہی لفظی صنعت گری اور افسانہ نویسی تھا۔ انکی کوششوں کا مرکز تو سیرت نبویؐ کی حقیقی شکلوں کو زندہ اور متحرک رکھنا تھا۔

طٰہٰ حسین نے اپنے جس مخصوص افسانوی اسلوب میں سیرت نگاری کو ایک نئی جہت سے روشناس کرایا ہے اسکی توجیہہ یہ کی جا سکتی ہے کہ ہمارا وہ نوجوان طبقہ جو مغربی علوم وثقافت کا پروردہ ہے اور ہماری وہ نسل جو جدید سائنسی دنیا کی عطا کردہ مادی تہذیب کے دلدل

[۱] علی ہامش السیرۃ ج ۳، ص ۲۳۰

[۲] مقدمہ علی ہامش السیرۃ ص (ج) و (ی)

میں چونکہ کردہ ذہنی طور پر اس حد تک دیوالیہ ہو چکی ہے کہ علوم اسلامیہ کے سنجیدہ موضوعات اور دقیق مسائل پر غور و خوض اور عمیق مطالعہ کے قابل نہیں رہی۔ اس کے لئے اس قسم کی افسانوی طرز کی تاریخی کتب کار آمد اور مفید ہوں گی۔ اس طرح کہ ہم کسی نہ کسی حد تک اسلامی دعوتی تاریخ سے ان کے ذہنوں کو متعارف کرانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ تاہم سیرت نگاروں کو تاریخی روایات کی صحت، اخبار و احادیث کی صداقت اور رسولؐ و اصحابِ رسول کے تقدس کو بہر حال ملحوظ رکھنا چاہئے۔ یہ صحیح ہے کہ نسیم حسین نے نقل واقعات اور روایت اخبار میں صداقت کو حتی الامکان ملحوظ رکھا ہے لیکن کہیں کہیں افسانویت ور رومانویت کا غلبہ بہر حال کھٹکتا ہے۔ اسی طرح اخبار و واقعات کا استعمال اس انداز سے کیا ہے کہ انکی صحت و حقیقت مشکوک نظر آنے لگتی ہے۔

غزل

ایم ۔ اے شمسی ود گھروی

زیست کی رعنائیوں کو بھنگ آخر کر لیا
زندگی سے آج میں نے جنگ آخر کر لیا

اس قدر بڑھتی گئیں میری معاشی الجھنیں
میں نے بھی شعر و سخن بے رنگ آخر کر لیا

سربلندی کی تمنا پست کتنی ہو گئی
اپنی نظروں میں ہی خود کو ننگ آخر کر لیا

بول کر سچ ہر کسی سے اب عداوت ہو گئی
اپنے سر کے واسطے ہر سنگ آخر کر لیا

خواہشیں، فرمائشیں اور زیست کی آرائشیں
اپنی چادر آج شمسی تنگ آخر کر لیا

حافظ شہامت علی مفتاحی فیض آبادی
کلکتہ

ائمہ مساجد کے مسائل اور ان کا حل

تنخواہ ۶۰۰ سے ۸۰۰ روپے تک ہے۔ ہے نا عجیب بات! ایک معمولی آفس میں چپراسی کا کام کرنے والا بھی اس سے کہیں زیادہ تنخواہ پاتا ہے پھر اس چپراسی کی بھی اپنے آفس میں ایک اہمیت ہے مگر ہمارے امام مسجدوں میں جو عزت ہے وہ ہم سب کو معلوم ہے بیچارہ ہر نمازی کی تنقید کا نشانہ بنتا ہے اگر کوئی نمازی صرف جمعہ کی نماز پڑھنے جاتا ہے تو وہ بھی امام پر احسان کرتا ہے اور مسجد پر اپنا حق کسی نہ کسی شکل میں جتا کر ہی جاتا ہے۔

اگر ہم ٹھنڈے دل سے غور کریں تو یقیناً ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس قلیل تنخواہ میں مہنگائی کے ہوش اڑا دینے والے اس دور میں ایک متوسط خاندان تو کیا ایک تنہا آدمی کا گزر بھی مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے آج ایک متوسط آدمی جس کی تنخواہ تین یا چار ہزار روپے ماہوار ہے اپنی فیملی کے اخراجات برداشت کرنے میں پریشانی محسوس کرتا ہے مگر مساجد کے ان ذمہ دار حضرات کو کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ آخر اماموں کا یہ مظلوم طبقہ کس طرح اپنے کاندھوں پر اپنے اہل و عیال کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے ہے جبکہ ان کے بال بچوں کی بھی وہی ضروریات ہیں جو کہ ایک عام آدمی کی مثلاً تعلیم و تربیت، شادی بیاہ، لین دین کے معاملات۔ مجبوراً انہیں سفید پوشی قائم رکھنے کے لئے غیر شرعی طریقوں سے اپنی ضروریات پوری کرنی پڑتی ہیں اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی دوسرا طریقہ بھی تو نہیں۔ اب یہ ایک فقیر کی طرح دست سوال بھی دراز نہیں کر سکتے۔ حالانکہ انہیں بعض مکروہ طریقوں کی وجہ سے لعن و طعن کا نشانہ بھی بننا پڑتا ہے۔ مگر جب ہم نے خود ہی اپنے ائمہ حضرات کے منصب کو بھلا دیا تو پھر انہیں اس منصب کا خیال کیوں رہے؟ یوں تو ہر مسئلہ کا حل موجود ہے مگر شرط بھی ہے کہ اس پر توجہ دی

جائے۔ اور یہ مسئلہ اپنی اہمیت کی وجہ سے بہت ہی توجہ طلب ہے کیونکہ اس کا تعلق ہماری بنیادی عبادت سے ہے۔ اگر اس میں سدھار نہ آسکا تو پھر ہمارے پورے معاشرہ کا سدھار ممکن نہیں ہے۔

آج ہم نے اپنے امام کو پانچ وقت کی نمازوں میں مقید کر رکھا ہے۔ مگر ایک امام اگر چاہے تو پورے محلے کی اصلاح میں اہم رول ادا کر سکتا ہے جیسا کہ پہلے وقتوں میں مسجدیں علم و ادب کا گہوارہ ہوا کرتی تھیں۔ ان میں قرآن و حدیث کے درس اور فقہی مسائل سے واقفیت کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ مگر افسوس کہ آج ہم نے امام کو اس لائق ہی نہیں چھوڑا کہ وہ اس طرف توجہ دے سکے۔ کیونکہ اس کی تنخواہ اس قدر قلیل ہے کہ اسے اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسرے مسائل میں الجھنا پڑتا ہے بیچارہ کبھی بغل میں قرآن شریف دبائے ہوئے اپنے مکتب کے چند بچوں کے ساتھ قرآن خوانی کے لئے جا رہا ہے تو کبھی میلاد و فاتحہ میں مصروف ہے۔ اور اب تو بیچاروں نے ایک نیا کام بھی سنبھال لیا ہے۔ اور وہ ہے روح نکالنے کا۔ پتہ نہیں یہ عزرائیل آج کل کیا کر رہے ہوں گے؟ ایک امام کو اللہ تعالیٰ نے کیا مقام عطا کیا تھا اور ہم نے اسے کس مقام پر پہنچا دیا۔

آج اگر ہم غور کریں تو ہمیں اپنی ذلت و رسوائی تباہی و بربادی دین سے دوری اور دنیا بھر کے خرافات جن میں مبتلا ہیں اس کی اصل وجہ ضرور سمجھ میں آئے گی اور وہ ہے مسجدوں سے دوری۔ آج مسلمان اپنی مسجدوں سے دور ہو کر سینما تھیٹر سے زیادہ قریب ہو گیا ہے اس کی شادی چرچ میں انجام پا رہی ہے۔ اس کے بچے کلبوں میں اپنا وقت گزار رہے ہیں۔ آج ہم نے مسجد کی اہمیت کو اپنے دل سے نکال دیا ہے ہم نے یہ بھلا دیا ہے کہ اس منبر و محراب کی نسبت کہاں سے جڑی ہوئی ہے۔ اس منبر و محراب میں کون کھڑے ہوتے تھے اس منبر سے کون سا درس دیا جاتا تھا جس نے پتھر دلوں کو موم کر دیا تھا۔ کیا یہ وہی منبر نہیں ہے جہاں سے محسن انسانیت دنیا کو اللہ کی وحدانیت اور ہدایت کا پیغام دیا کرتے تھے۔ کیا یہ وہی مسجدیں نہیں ہیں جہاں خلفاء راشدین نے کھڑے ہو کر مسلمانوں کی امامت

فرمائی۔ کیا یہ وہی مسجدیں نہیں ہیں جہاں ائمہ اربعہ نے بیٹھ کر قرآن و حدیث کے درس کا وہ لامتناہی سلسلہ شروع کیا جس سے دنیا فیضیاب ہوئی ان ہی مسجدوں میں بیٹھ کر بڑے بڑے علماء کرام، بزرگان دین نے قوم کی رہنمائی فرمائی۔ مگر جب سے ہم نے اپنی مسجدوں سے منہ موڑا اپنی ذمہ داریوں کو بھول گئے اس کا جو بھی نتیجہ نکلا وہ ہمارے سامنے ہے۔

مسجد کے متولی حضرات، وقف بورڈ اور مساجد کی منتظمہ کمیٹیوں نے اپنے فائدے کی خاطر اس عظیم ذمہ داری کو ایسے افراد کے کندھوں پر ڈالا جو اس کام کے اہل نہ تھے وجہ صاف ہے کہ ایسے افراد بہت ہی کم تنخواہ پر راضی ہو جاتے ہیں۔ مگر افسوس تو ملت کے باشعور طبقہ پر ہے۔ انہوں نے بھی یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی کہ آخر ان کا امام نماز کے تمام مسائل سے واقف ہے بھی یا نہیں فقہی مسائل تو دور کی بات ہے۔

اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہمارے اندر دینی بیداری کیسے آسکتی ہے ہمارا سدھار کیسے ہو سکتا ہے۔ ہماری مسجدیں پھر سے رشد و ہدایت کا سرچشمہ کیسے بن سکتی ہیں؟ اس عظیم کام کیلئے ملت کے باشعور طبقہ کو آگے آنا ہوگا۔ کچھ اصول و ضوابط کو مرتب کرنا ہوگا۔ تاکہ مساجد کے متولی حضرات اور وقف بورڈ کے ذمہ دار حضرات اپنی من مانی نہ کر سکیں۔ اگر یہ کام ہو گیا تو انشاء اللہ مسلمانوں میں دینی بیداری ضرور آئے گی۔ چند مشورے حسب ذیل ہیں۔

(۱) فی الحال جو بھی امام و موذن حضرات جن مساجد میں ہیں انکے ساتھ کوئی زیادتی اور ناانصافی نہ کی جائے اور ایسے ائمہ حضرات جو اپنے اندر کچھ کمی محسوس کرتے ہوں انہیں بھی چاہئے کہ محنت کر کے اپنے آپ کو اس لائق بنائیں جس کا یہ عظیم منصب متقاضی ہے اور ایسے افعال سے پرہیز کریں جو شریعت کے منافی ہوں۔ کسی نئی جگہ کیلئے باقاعدہ شرائط و ضوابط کیساتھ ایسے امام کا انتخاب کیا جائے جو ہر لحاظ سے اس منصب کیلئے موزوں ہو اور اپنے علم کے ذریعہ عوام الناس کی خدمت کر سکے۔

(۲) حالات زمانہ کے مطابق انہیں معقول تنخواہ دی جائے جو کہ کم از کم ۱۳۰۰/- ہو۔

(۳) جو پرانے اور باصلاحیت ائمہ ہیں انکی تنخواہ بڑھا کر ۲۵۰۰/- کی جائے۔

(۴) ان کی رہائش کا انتظام مع اہل و عیال مسجد کی طرف سے کیا جائے۔

(۵) ممکن ہو تو امام مسجد کو مسجد کی عمارت سے ایک دکان دی جائے تاکہ وہ سنت کے مطابق تجارت کر سکیں اور کسی کے دست نگر نہ رہیں۔ اس سے کمیٹی بھی اپنا فرض ادا کرنے میں حق بجانب ہوگی۔

(۶) اگر مسجد کی عمارت میں دکان نکالنے کی گنجائش نہ ہو تو ایک مشت کم سے کم مبلغ پچاس ہزار روپیہ امام مسجد کو دیئے جائیں تاکہ وہ اپنی صواب دید کے مطابق تجارت کر سکے۔

امام کے فرائض اور ان کی ذمہ داریاں

۱۔ امام اپنے فرائض پابندی کے ساتھ انجام دیں تاکہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے۔

۲۔ مسجد کمیٹی کے زیر انتظام اور امام مسجد مدرس کا فرض انجام دیں۔

۳۔ روزانہ یا کم سے کم ہفتہ میں ایک دن درس قرآن و حدیث کا نظم کریں۔

۴۔ محلہ یا بستی کے لوگوں کی اخلاقی حالت کو بہتر کرنے کے لئے اہل محلہ یا اہل بستی کے مشورہ سے پروگرام بنائیں۔ پروگرام ایسا ہو کہ ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں کا اتفاق ہو۔

نعت

محمد فرحت حسین خوشدلؔ
ضلع اسکول ہزاری باغ (بہار)

سیرتِ محمدؐ تو واقعی مثالی ہے — کالی کملی والے کی ہر ادا نرالی ہے
کچھ بھی غم نہیں یارو گو کہ رات کالی ہے — ہم نے عشقِ احمدؐ سے شمعِ دل جلالی ہے
آپؐ ہی ہیں نوری بھی آپ ہی ہیں خاکی بھی — ایک وصف جمالی ہے اک صفت جلالی ہے
دعویٰ محبت ہے اور نبیؐ سے الفت بھی — پھر بھی قوم مسلم یہ جو عمل سے خالی ہے
اک درخت کو بھی وہ سوکھنے نہیں دیں گے — باغ سنتِ نبوی کا جو پاسبان مالی ہے
ہر جگہ زمانے میں ہو گئے ہیں ہم رسوا — [illegible] رب نے جب نگاہ ڈالی ہے
ہے دعا یہ خوشدلؔ کی متحد ہو اب تو ہم — [illegible] جب سے خستہ حالی ہے

پس چہ باید کرد

ارشد ترابی (علیگ) دہلی

آج پوری دنیا میں مسلمانوں پر ظلم و زیادتی ہو رہی ہے جو کسی سے مخفی نہیں ہے حیرت تو یہ ہے کہ جہاں مسلمانوں کی اپنی حکومتیں قائم ہیں وہ علاقے بھی ظلم و جبر سے محفوظ نہیں ہیں۔ [illegible] ہر اس کا ماحول پیدا کر کے اور نئی نئی ترکیبیں وضع کر کے اسلام دشمن قوتیں مسلمانوں کو [illegible] غلام بنانے کی فکر میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اور آج جہاں پر بھی مسلمان ظلم و بربریت کے خلاف آواز بلند کرتا یا اسکے خاتمے کے لئے جد و جہد کرتا ہے تو مغرب اور اس کے حواری [illegible] اسلام پسندوں پر ضدی، عقل سے عاری اور بنیاد پرستی کا الزام لگا کر ان کی شخصیت کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اسلام دشمن طاقتیں [illegible] خائف اور متفکر ہیں کہ کس طرح سے اس پر قابو پایا جائے تاکہ خالق و مخلوق کے درمیان [illegible] حائل رہ سکے۔ اس مختصر سے مضمون میں انہیں باتوں کا جائزہ لیا جائیگا۔

[illegible] انقلاب کے بعد یورپ میں جن قوموں کو عروج نصیب ہوا ان میں انگریز ڈچ فرانسیسی [illegible] خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان قوموں نے ایشیا، امریکہ، افریقہ میں ۱۸ ویں صدی سے ہی قدم [illegible] قائم کرنی شروع کر دیں۔ نو آبادیاں قائم کرنے اور تجارت کے فروغ کے لئے ان قوموں کے درمیان آپسی رسہ کشی بھی ہوئی۔ انگریزوں کو اس میں کامیابی ملی اور برطانوی سامراجیت [illegible] عمل میں آیا۔ ۱۹ ویں صدی کا وسط آتے آتے ان سارے علاقوں پر انگریزی سامراجیت کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔

جہاں تک اسلامی حکومت کا تعلق ہے تو اس کا خاتمہ خلافت راشدہ کے فوراً بعد یعنی حضرت امام حسنؓ کی حکومت سے دست برداری کے وقت ہی ہو گیا لیکن اسلامی ریاستیں اور مسلم حکمرانوں کی حکومتیں باقی رہیں اور ۱۹ ویں صدی تک کسی نہ کسی حد تک مسلمانوں کا رعب و دبدبہ دنیا پر قائم رہا۔ مسلمانوں کی حکومت [illegible]

کسی حد تک ۱۹۲۴ء کی خلافت تحریک و خلافت عثمانیہ کے خاتمے تک باقی رہا۔ بالآخر ترکوں کی شکست نے اسلامی مرکزیت کو عملاً ختم کر دیا۔ بیسویں صدی کے وسط تک پوری دنیا کی قیادت برطانوی سامراجیت کے ہاتھوں میں تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب ان بیشتر ریاستیں انگریزی سامراجیت سے آزادی حاصل کرنے لگیں تو یہ دنیا دو بلاک میں تقسیم ہو گئی جس کی قیادت روس اور امریکہ کے ہاتھوں میں تھی۔ دونوں طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں یکساں پالیسی رکھتی تھیں بلکہ امریکہ روس کے خلاف مسلمانوں کو مفید تصور کرتے ہوئے انتہائی چالاکی و مکر و فریب سے اور خفیہ طریقے سے اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف رہا۔ روس اپنی بعض پریشانیوں اور خود اپنے غیر علمی نظریے کی وجہ سے بکھر گیا اور اس کی طاقت کا بھرم پوری دنیا سے اٹھ گیا۔ اب پوری دنیا کی قیادت امام الکفر امریکہ کے ہاتھوں میں سمٹ کر آ گئی ہے اور کھل کر اسلام اور مسلم دشمنی میں امریکہ اس وقت پیش پیش ہے اس کو سمجھنے کے لئے پس منظر کا سمجھنا ضروری ہے۔

برطانوی سامراجیت کے زیر اثر مسلم اور غیر مسلم دونوں ممالک تھے۔ لہٰذا ان کا معاشی، سیاسی، سماجی، مذہبی، تمدنی استحصال یکساں طور پر کیا جا رہا تھا۔ مغرب نے ان ممالک کو خوب لوٹا اور تہذیبی اخلاقی تمدن کو درہم برہم کر دیا۔ اس کی جگہ پر نئی تہذیب و ثقافت نافذ کی گئی جو کہ مغربی تہذیب کے نام سے جانی جاتی ہے۔ مغربی تہذیب و ثقافت کو غیر مسلم دانشوروں اور عوام نے تو کسی حد تک قبول کر لیا تھا بلکہ اسے اپنے لئے باعث نجات تصور کر رہے تھے۔ اس کے برعکس مسلم عوام و خواص مغربی تہذیب و ثقافت کو اپنی دینی بقا کے لئے سم قاتل تصور کر رہے تھے لہٰذا اسے یکسر مسترد کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے اس سے آزادی حاصل کرنے کے لئے روز اول سے ہی جدوجہد شروع کر دی اس لئے کہ غلامی میں اسلام کے مطابق اللہ کی بندگی مکمل طور سے نہیں کی جا سکتی۔ غلامی اور اسلام ایک جگہ قطعاً جمع نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ان سے آزادی حاصل کرنا مسلمانوں کا دینی فریضہ تھا۔

انگریزوں کی لوٹ کھسوٹ والی پالیسی کے نتیجے میں عوام بدحال و پریشان حال تھے

غیر مسلم عوام کو بھی اپنی معاشی مشکلات کا احساس تھا اور اپنی غلامی کا جب احساس پیدا ہوا تو انہوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کے علاقے اور دولت پر انگریزوں نے غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ چنانچہ ان کے یہاں بھی قومی تحریکیں وجود میں آگئیں اور وہ بھی انگریزوں کے خلاف برسر پیکار ہوئے۔ غیر مسلموں کے سامنے صرف معاش کا مسئلہ سب سے بڑا مسئلہ تھا اور اس میں یہ دوسری قوموں کے برابر سامراجیت کے ظلم کے شکار ہو رہے تھے۔ اس فرق کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں کی جدوجہد اور غیر مسلموں کی جدوجہد آزادی کا تجزیہ کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کا معاملہ اس سے قطعاً مختلف تھا۔ وہ اسلام اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہی اپنے سارے معاملات عمل کرنے کے خواہاں تھے اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہو گا کہ غیر مسلموں کے پاس کوئی مذہبی تصور نہیں تھا۔ بلکہ ان کا تصور مذہب جامد اور فرسودہ تھا۔ ان کے مقاصد متزلزل تھے لہٰذا سیاسی آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی ان کے یہاں انقلابی پیش قدمی کا فقدان نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے غیر مسلم عوام اپنے مذہب کو ماننے کے باوجود مغربی طرز کی حکومت اور تہذیب و ثقافت سے آزادی حاصل نہ کر سکے لہٰذا ان کی حکومت کی بنیاد پر وہی مغرب کے وضع کردہ اصول وطنی قومیت، جمہوریت اور لادینیت یعنی سیکولرزم رہ گئیں۔ اور اس کے خلاف کوئی مزاحمت نہیں پائی جاتی۔

مسلمانوں کی آزادی کا مسئلہ چونکہ اسلام سے جڑا ہوا ہے اس لئے علماء اسلام کی کوششوں سے اسلامی قوتوں میں ایک نئی جان آ گئی۔ جسے مغربی قوتیں اچھی طرح سمجھ رہی تھیں اور وہ اس سے خائف بھی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے بڑی عیاری اور مکاری سے اسلامی ریاستوں کو دوسرے علاقوں کیساتھ جب آزاد کیا تو ان کو قومی بنیادوں پر تقسیم کیا تا کہ ان علاقوں پر مغرب کی بالادستی بدستور جاری رہے۔ اس کے نتیجے میں بدقسمتی سے مسلمانوں میں ترکی قومیت اور عرب قومیت نے جنم لیا۔ اور یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ ان علاقوں پر بدستور مغربی قوتوں کی بالادستی برقرار رہی۔ قومیت کے بیج بونے کا ایک اہم مقصد یہ تھا کہ امت مسلمہ ایک امت واحدہ نہ بن سکے۔ امت کے علمائے اسلام کے جیالوں نے اپنی جان کی

٭ نام نہاد سیکولر قائدین کو اپنا قائد تصور نہ کیا جائے۔ سیکولر قیادت مفاد پرست گروہ کے پروردہ ہوتے ہیں۔ ان کے پیش نظر صرف ان کا ذاتی فائدہ ہوتا ہے۔ ان کے حرکات وسکنات اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ وہ اصلاً دشمنان اسلام کے دوست ہیں باطن سے قرآن ان کو ناگوار اور گراں گذرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمانوں سے بھی اور ان کے دشمنوں سے بھی دوستی کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ ان پر قطعاً بھروسہ نہ کیا جائے بلکہ ان کے مکر وفریب سے عوام کو بچانے کی تدابیر کی جائیں۔

٭ اس کے برعکس علماء کے درمیان سے اسلامی قیادت ابھارنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔ مسلمانوں کے اصلاً قائد علماء ہی ہو سکتے ہیں۔ علمائے حق ہی دراصل مسلمانوں کی حقیقی رہنمائی کا کام انجام دے سکتے ہیں۔ علماء سے مراد ایسے افراد ہیں جنکی نگاہ قرآن وسنت وسیرت پاک پر گہری ہو۔ نیز یہ کہ علم وتقویٰ اور اجتہادی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔ دشمنان اسلام کی پوری کوشش یہ ہے کہ مسلمانوں کا رشتہ کسی طرح سے علماء سے کاٹ کر رکھ دیا جائے۔ علماء کا ایسا طبقہ ہمیشہ سے رہا ہے جو باطل کے مقابلے میں رسم شبیری ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس کے برعکس خود ساختہ جدید ذہن کے دعویدار رہنماؤں کے پاس نہ تو فراست ایمانی ہوتی ہے اور نہ ہی وہ حقیقت میں مسائل کا ادراک رکھتے ہیں۔ ان کے اندر عزیمت عزم وحوصلہ کی کمی پائی جاتی ہے۔ ان کی تعلیم ہی مغربی افکار کے مطابق ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں ان کا ذہنی سانچا ہی بگڑ کر رہ جاتا ہے اور ایسے افراد کا مقصد صرف مادی مفاد کا ہو جاتا ہے اگر یہ کسی طرح اسلام کے ہمنوا ہو بھی گئے تو اندیشہ ہے کہ اگلے مرحلہ میں بآسانی ان کو سامراجی قوتوں کا ایجنٹ بنا لیا جائے۔

٭ دین کے مختلف اداروں اور علمی مراکز کو خود کفیل بنانے کی جدوجہد کی جائے ان اداروں کے لئے نام نہاد حکمرانوں کے در پر دستک نہ دی جائے بلکہ امت کے ہمدردوں پر کامل اعتماد کر کے ہی کام کرنے کی کوشش کی جائے۔ آج اسکو کمزور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے کہ علمی مراکز اور دینی تعلیمی ادارے کے اندر سے فقر واستغنا کو نکال دیا جائے

اسلام کی ان پناہ گاہوں کو اغیار اور دنیا پرستوں کی دست برد اور ان کے اثرات سے ہر قیمت بچانے کی کوشش کی جائے۔

٭ امت مسلمہ کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو مجتمع اور منظم کرنے کی کوشش کی جائے۔ آج ہمارے اندر صلاحیتوں کی کوئی کمی نہیں ہے لیکن نظم وضبط اور تعاون نہ ہونے کی وجہ سے ہماری صلاحیتیں بکھری پڑی ہیں۔

٭ جب تک خلافت اسلامیہ کا احیاء نہیں ہو جاتا جبھی ایک مرکز کا قیام عمل میں نہیں آجاتا اس وقت تک رضاکارانہ طور پر اور انتہائی مخلصانہ انداز سے ایسے اسلامی ادارے مختلف علاقوں میں اپنی اپنی سہولت کے پیش نظر قائم کئے جائیں جو خالص اسلامی بنیادوں پر قائم ہوں اور مسلمان اپنے تمام تر فیصلے اور معاملات اسی مرکز کے ذریعہ طے کرائیں اور انہیں کے تحت منظم ہوں۔

٭ تمام تر علاقائی، لسانی، گروہی ومسلکی عصبیت سے بالاتر ہو کر امت کے اندر اتحاد واتفاق پیدا کرنے کی جدوجہد میں سرگرم ہو جانا چاہئے۔ اتحاد کامیابی کی بنیاد ہے اسی کے ذریعہ بڑے سے بڑا معرکہ سر کیا جاتا ہے۔ دشمنان اسلام کی پوری کوشش ہے کہ امت مسلمہ کے درمیان اتحاد نہ پیدا ہونے دیا جائے۔ مسلمانوں کے بعض اختلافی مسئلہ کو ہوا دیکر مسلمانوں کو منظم نہ ہونے دیا جائے۔ انکی اس چال پر کڑی نظر رکھنی ہوگی۔ امت کے درمیان اتحاد کی بنیاد بحمد اللہ آج بھی موجود ہے اور وقت پڑنے پر اس کا مظاہرہ بھی کیا گیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ فروعی مسائل کو وجہ نزاع نہ بننے دیا جائے بلکہ اصل اسلامی مسئلہ کی طرف امت کے ذہن کو موڑا جائے انشاء اللہ ہمارے مسائل ضرور حل ہوں گے اور ہم کامیابی سے ہمکنار ہونگے۔ خدا ہمارا حامی وناصر ہو۔ آمین ثم آمین

عبدالباری فلاحی

توجہ مطلوب ہے

طلبہ کے سرپرستوں سے

"اب سے ساٹھ ستر سال پہلے میرے (مولانا منظور نعمانی صاحب) والد ماجد اس قصبہ (سنبھل) کے رئیسوں اور دولت مندوں میں شمار ہوتے تھے ان کے لئے اس کی پوری گنجائش تھی کہ اپنی اولاد کو انگریزی کی اعلیٰ تعلیم دلاتے لیکن انہوں نے نیت کر رکھی تھی کہ جہاں تک ممکن ہوگا وہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلائیں گے تاکہ آخرت میں ان کے کام آئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ میری عمر جب ۱۲-۱۳ سال کی ہوگئی تو ہمارے ضلع میں ایک انگریز کلکٹر آیا معلوم نہیں کیوں والد صاحب سے وہ بہت تعلق رکھتا تھا اسے جب معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے کسی بچہ کو انگریزی تعلیم نہیں دلائی تو اس نے والد صاحب کو خود ترغیب دی اور میری عمر وغیرہ معلوم کر کے خاص طور سے میرے بارے میں کہا کہ اس کو کل ہائی اسکول بھیج دو یہ پانچ سال میں انٹرینس کرے گا اور میں اس کو نائب تحصیلداری دیدوں گا اس زمانے میں نائب تحصیلداری بہت بڑی چیز تھی اس سے ترقی کر کے آدمی تحصیلدار ہو جاتا تھا اور اس کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہو جاتا تھا اور یہی اس وقت ہندوستانیوں کی معراج تھی، کلکٹر تو عام طور سے اس دور میں انگریز ہی ہوتے تھے۔ لیکن والد صاحب کی روح پر خدا کی بے شمار رحمتیں ہوں وہ کلکٹر کے اس کہنے پر بھی مجھے انگریزی پڑھانے کے لئے آمادہ نہیں ہوئے جب ان کے بعض مخلص احباب کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے بہت اصرار سے ان سے کہا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور اس کو ضرور اسکول میں داخل کر دینا چاہئے والد صاحب نے آخر میں ان سے فرمایا کہ "اصل بات یہ ہے کہ مجھے اطمینان اور یقین ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں مجھے اپنی

اولاد کی کمائی کی کوئی ضرورت نہ ہوگی ان شاء اللہ میں خود ان کو کھلاتا رہوں گا ہاں مرنے کے بعد قبر میں مجھے ضرورت ہوگی کہ ان کی کمائی مجھے ملے اس لئے میں تو ان کو دین پڑھاؤں گا جو قبر میں میرے کام آئے" تو انہوں نے مجھے اس نیت سے علم دین کی تعلیم دلائی تھی کہ میں بھی دین کی خدمت کروں اور وہ آخرت میں انکے کام آئے"

(دینی مدارس کے طلبہ سے — آپ کون ہیں؟ کیا ہیں؟ اور آپ کی منزل کیا ہے؟
از مولانا محمد منظور نعمانی صـ۱۳ـ کتب خانہ الفرقان ۱۳ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ یوپی)

یہ اقتباس مولانا منظور نعمانی صاحب مدظلہم العالی کی ایک تقریر کا حصہ ہے جو انہوں نے گجرات کے ایک مدرسہ میں کی تھی۔ واقعہ بھی انہیں کی زندگی سے متعلق ہے۔ یہ واقعہ طلبہ کے سرپرستوں کے لئے ایک اہم پیغام رکھتا ہے۔

انگریزوں نے سازش کے ذریعے جہاں لوگوں کو مذہبی تعلیم سے کاٹا وہیں انگریزی تعلیم کو معاش کا ذریعہ بنا کر پیش کیا رفتہ رفتہ وہ اس میں کسی قدر کامیاب بھی ہوئے کھاتے پیتے گھرانے انگریزی تعلیم کو دیگر مذہبی نقصانات کے باوجود محض اس وجہ سے ترجیح دیتے تھے کہ اس سے سروس آسانی سے مل جاتی تھی اور معاش کا مسئلہ حل ہو جاتا تھا چنانچہ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

ادھر کچھ دنوں سے دینی مدارس کے یونیورسٹیوں سے الحاق اور عرب ممالک میں تعلیم اور ملازمت کی سہولیات حاصل ہونے کے سبب دینی مدارس میں تعلیم دلانے کا رجحان تیزی سے بڑھا ہے حتی کہ امراء اور رؤسا بھی بڑی تعداد میں اپنے بچوں کو وہاں بھیجنے لگے ہیں۔ کیونکہ اس سے بھی معاش کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کا یہ رجحان صحیح ہے؟ کیا دینی تعلیم بھی صرف برائے معاش دلانا درست ہے؟ یا یہ ایک انسانی ضرورت اور مذہبی فریضہ ہے اور بچوں کو یہ تعلیم انکی زندگی سنوارنے اور رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر دلانا چاہئے۔

ضرورت ہے کہ اسلام کی تعلیمات اور مذکورہ واقعہ کی روشنی میں سرپرست حضرات اپنی نیتوں کا جائزہ لیں اور فیصلہ کریں کہ آیا انہیں دنیا چاہئے جو حقیر اور فانی ہے یا جنت

بقیہ ۳ ٹائٹل پر

فتاویٰ

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز — مترجم ابو مریم عفانی

سوال: اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ ایک شخص نے نماز کی تکمیل کے بعد سلام پھیرا اور دیکھا کہ اس کے کپڑے میں نجاست لگی ہوئی ہے؟

جواب: جس شخص نے اس حالت میں نماز ادا کی کہ اس کے کپڑے یا بدن میں نجاست لگی ہوئی تھی لیکن اس کا علم نماز مکمل کرنے کے بعد اس کو ہوا تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس کی نماز صحیح ہوگی۔ ایسے ہی اس شخص کی بھی نماز ہو جائیگی جس کو اس نجاست کا پہلے سے علم تھا لیکن نماز کی ادائیگی کے وقت یاد نہیں رہا اور اسی حالت میں اس نے نماز ادا کرلی مگر نماز کی تکمیل کے بعد اس کو یہ بات یاد آئی کہ بدن یا کپڑے میں نجاست لگی ہوئی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا	اے ہمارے رب ہم سے بھول چوک میں جو قصور
أَوْ أَخْطَأْنَا (بقرہ-۲۸۶)	ہو جائیں ان پر گرفت نہ کر

اور اس حکم کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ "کسی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل مبارک میں گندگی لگی ہوئی تھی جس کی اطلاع آپ کو نہیں تھی آپ نے اسی حالت میں نماز شروع کر دی لیکن جبریل علیہ السلام نے نماز کی حالت ہی میں آپ کو اسکی اطلاع دی آپ نے اسی حالت میں جوتے کو نکال دیا اور ازسرنو نماز پڑھنے کے بجائے بقیہ نماز پوری کرلی۔ یہ رعایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے سہولت وآسانی اور اپنے بندوں پر رحمت ہے۔

اسی کے ضمن میں یہ بات بھی جان لیں کہ اگر کسی شخص نے بغیر وضو نماز ادا کی تو وہ نماز دہرائے گا اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

لا تقبل صلوٰۃ بلا طهور ولا	نماز بغیر طہارت کے قبول نہیں ہوتی اور
صدقۃ من غلول (اخرجہ مسلم)	صدقہ خیانت سے قبول نہیں ہوتا۔

لا تقبل صلاۃ احدکم اذا	تم میں سے کسی کی نماز قبول نہیں ہوگی
احدث حتی یتوضأ (متفق علیہ)	جب کہ اسکا وضو ٹوٹ جائے یہاں تک کہ
	وضو کرلے۔

سوال: بعض لوگوں کا دماغ گاڑیوں کے ایکسیڈنٹ یا اس طرح کے دوسرے حادثات کی وجہ سے کبھی کچھ دنوں کے لئے ماؤف ہو جاتا ہے اور بالکل بیکار ہو جاتا ہے۔ تو اس طرح کے حالات میں افاقہ کے بعد نماز کی قضاء کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر یہ حالت تھوڑی مدت کے لئے ہے مثلاً تین دن یا اس سے کم تو قضاء واجب ہوگی۔ کیونکہ مذکورہ مدت تک بے ہوشی نیند کے مانند بھی جاتی ہے اس لئے اس مدت تک کی فوت شدہ نماز کی قضا کی جائے گی۔

یہی مسلک عام صحابہؓ کا ہے کہ تین دن سے کم بے ہوشی کی حالت میں چھوٹی ہوئی نماز کی قضاء ہوش میں آنے کے بعد انہوں نے کی ہے۔ رہی وہ مدت جو ان ایام سے زیادہ ہو تو اس میں نماز کی قضاء نہیں ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین طرح کے افراد کا مواخذہ نہیں ہوگا۔

رفع القلم عن ثلاثة عن النائم	تین طرح کے افراد سے مواخذہ نہیں ہوگا (۱)
حتی یستیقظ والصغیر حتی یبلغ	سونے والے سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے
والمجنون حتی یفیق۔	(۲) نابالغ سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے
	(۳) پاگل شخص سے یہاں تک کہ اسے افاقہ ہو جائے

مذکورہ مدت تک بے ہوش شخص پاگل ہی کے مشابہ سمجھا جاتا ہے

سوال: ہم اکثر یہ سنتے ہیں کہ نماز میں داخل ہوتے وقت لوگ نیت الفاظ سے کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے۔ کیا اس کے لئے شرع میں کوئی بنیاد ہے؟

جواب: شریعت مطہرہ میں الفاظ سے نیت کرنے کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کوئی چیز ثابت ہے اور نہ صحابہ کرام سے کہ نیت باللفظ کی جائے۔ بلکہ نیت کا مقام دل ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی (متفق علیہ)

اعمال کا دارومدار نیت پر ہے ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جسکی اس نے نیت کی ہے۔

سوال:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم و دوسرے اولیاء کرام و صالحین عظام وغیرہ کی قبروں کی زیارت کا کیا حکم ہے؟

جواب:- علماء کے صحیح قول کے مطابق نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور نہ ہی دوسرے لوگوں کی قبروں کی زیارت کے لئے سفر کرنا جائز ہے۔ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد. المسجد الحرام ومسجدی هذا والمسجد الاقصیٰ۔

قصد سفر نہیں کیا جا سکتا مگر تین مسجدوں کے لئے۔ (۱) مسجد حرام (۲) میری اس مسجد (مسجد نبوی) (۳) مسجد اقصیٰ۔

(متفق علیہ)

البتہ اس بات کی اجازت ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد نبوی کی زیارت کی خاطر قصد سفر کرے پھر اس موقع پر آپ کی قبر اور حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق و شہداء اور جنت البقیع کی قبروں کی زیارت کرے تو ایسا کرنا جائز ہوگا۔ ایسے ہی اگر اس شخص نے دونوں کی نیت بیک وقت کی تب بھی جائز ہوگا کیونکہ قبر کی زیارت مسجد نبوی کی اتباع میں ہوگی۔ صرف قبر کی زیارت کے لئے شد رحال جائز نہیں ہوگا۔ ہاں اگر اتنے قریب ہو کہ شد رحال کی ضرورت نہ ہو اور نہ اس تک جانے کو سفر کا نام دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ بغیر شد رحال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اور صحابہ کرام کی قبروں کی زیارت سنت و قربت کا ذریعہ ہے۔

ایسے ہی شہداء اور اہل بقیع اور مسلمانوں کی قبروں کی زیارت بھی بغیر شد رحال سنت و قربت کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

زوروا القبور فانها تذکرکم بالآخرة (اخرجه مسلم)

قبروں کی زیارت کرو کیونکہ یہ تم لوگوں کو آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

بقیہ: صفحہ ۴۵ پر

اسامہ اکرم رامپوری عربی متعلم

اخبار علمیہ

مسلم طالبعلم کی کارکردگی

لکھنؤ کے سٹی مانٹیسری اسکول کی گیارہویں جماعت کے طالب علم محمد تحسین امین کو ہندوستان کی کونسل آف سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ (آئی سی ایس آئی) نے ایک روبوٹ تیار کرنے اور کناڈا کی واٹرلو یونیورسٹی میں منعقد کئے گئے انٹرنیشنل روبوٹک اولمپیاڈ میں طلائی، نقرئی اور کانسے کے تمغے جیتنے کے لئے دس ہزار روپے کا انعام دیا ہے۔ محمد تحسین کو یہ انعام سائنس و ٹیکنالوجی کے مرکزی وزیر مسٹر پی آر کمار منگلم نے یہاں نیشنل فزیکل لیباٹری میں پیش کیا۔ (دعوت:- یکم اکتوبر ۱۹۹۸ء)

کناڈا کی مسلم طالبہ کا کارنامہ

واٹرلو یونیورسٹی نے ایک مسلم طالبہ فرحانہ شیخ کو کمپیوٹر انجینئرنگ سسٹم میں شاندار کامیابی حاصل کرنے پر اعلیٰ ترین اعزاز دیا ہے، تمام ممالک سے ایک مقابلہ میں حصہ لینے والے (۱۵۵) طلباء و طالبات میں فرحانہ شیخ نے پہلا مقام حاصل کیا۔ فرحانہ شیخ کو آئندہ پانچ برسوں تک ہر سال پانچ لاکھ روپے دیئے جائیں گے۔ وہ اس رقم کو دنیا کے کسی بھی ملک میں اعلیٰ تعلیم پر خرچ کر سکتی ہیں۔ فرحانہ شیخ اس سے پہلے یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کر چکی ہیں۔ وہ اس شعبہ میں یونیورسٹی کی سطح پر پہلی پوزیشن حاصل کرنے والی پہلی کناڈا کی طالبہ ہیں۔ فرحانہ نے جنکی عمر ۲۲ سال ہے کناڈا کے ایک اہم ادارے میں ایک اعلیٰ عہدہ قبول کر لیا ہے۔ وہ کمپنی مواصلات سافٹ ویئر میں ریسرچ کریگی۔ (دعوت:- ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۸ء)

کوالالمپور میں اسلامی میڈیکل اسکول

یہاں واقع بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اپنے ساتویں پنچ سالہ منصوبے کے تحت ایک اسلامی میڈیکل اسکول قائم کریگی۔ یہ منصوبہ ۱۹۹۶ء میں شروع ہوگا۔ اس میڈیکل اسکول میں

اسلامی طبی علوم کی تدریس کا انتظام ہوگا۔ اسلامی یونیورسٹی کے شعبہ صحت کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد یحییٰ علاؤالدین نے بتایا کہ اس کا مقصد قرآن کریم پر مبنی طبی علوم کو فروغ دینا ہے۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی یکم نومبر ۱۹۹۳ء)

قرآن کا ایک اور چھوٹا نسخہ

دہلی کے ایک تاجر عزیز ابراہیم خان نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کے پاس دنیا کا سب سے چھوٹا قرآن پاک کا نسخہ ہے جسکی لمبائی ساڑھے تین سینٹی میٹر اور چوڑائی ایک سینٹی میٹر سے کم ہے۔ اور اس میں ۳۵ صفحے ہیں۔ انہیں قرآن پاک کا یہ نسخہ ۳ سال قبل ملا تھا۔ اور اسے ان کے ایک دوست فرانس سے لائے تھے۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۳ء)

اسلامی کتابوں کی نمائش

اگلے ماہ فلاڈلفیا (امریکہ) میں اسلامی کتابوں کی ایک نمائش لگائی جائیگی۔ اس کا مقصد امریکی باشندوں کو اسلامی اقدار اور اسلامی تہذیب و تمدن سے روشناس کرانا ہے۔ اس کا ایک اور اہم مقصد عربوں اور مسلمانوں کے ساتھ امریکی شہریوں کے دوستانہ تعلقات کو مستحکم کرنا بھی ہے۔ نمائش کے دوران ثقافتی سرگرمیوں کا بھی پروگرام ہے۔ ان میں لکچر اور بحث مباحثے شامل ہیں۔ توقع ہے کہ نمائش میں آٹھ سو سے زیادہ اشاعتی ادارے حصہ لیں گے۔

(سہ روزہ دعوت نئی دہلی یکم اکتوبر ۱۹۹۳ء)

صحت و تندرستی پر عقیدے کے نفسیاتی اثرات

جاپان کے شہر ٹوکیو میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس کا موضوع تھا۔ "صحت و تندرستی پر عقیدے کے نفسیاتی اثرات"۔ اس اجلاس میں پوری دنیا کے روحانی ڈاکٹروں کے علاوہ مسلم اطباء بھی غیر معمولی تعداد میں شریک تھے۔ اور مریضوں کی جلد شفایابی میں اسلامی عقیدے کے اثرات کے موضوع پر مقالے پڑھے۔ جو غیر مسلموں میں کافی حد تک مقبول رہے۔

(تعمیر حیات: ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۳ء)

رخصت ہونیوالے صدر مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی ایک نظر میں

نام۔ نظام الدین، ولدیت وکیل احمد سن پیدائش یکم جنوری ۱۹۳۱ء۔ مقام پیدائش۔ چاند پٹی اعظم گڑھ۔ ابتدائی تعلیم سرکاری پرائمری مکتب چاند پٹی ۱۹۳۳ء میں مدرستہ الاصلاح سرائمیر سے فراغت ۱۹۴۶ء تا ۱۹۶۱ء مدرسۃ الاصلاح میں تدریسی خدمات اور آخری دور میں اس کے صدر مدرس ۱۹۵۲ء میں جماعت اسلامی کی رکنیت ۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۳ء نظامت اضلاع دیوریا اور گورکھپور ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۴ء تک امارت حلقہ جماعت اسلامی ہند مدھیہ پردیش۔ پھر جامعۃ الفلاح میں ۱۹۸۵ء تک تدریس اس دوران چند سال نگران اعلیٰ بھی رہے ۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۰ء امیر حلقہ جماعت اسلامی گجرات بنے ۱۹۶۰ء سے اب تک مجلس نمائندگان کے رکن اور ۱۹۷۰ء اور درمیان میں دو میقات کے علاوہ مسلسل رکن مرکزی شوریٰ ہیں۔ یوپی میں امارت حلقہ مدھیہ پردیش و گجرات کے ایام کو چھوڑ کر مسلسل ریاستی شوریٰ کے رکن۔ تعمیر و ادب سے خاص لگاؤ ہے۔ ۱۹۹۲ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے بذریعہ الکشن ممبر منتخب ہوئے۔ قابل ذکر اساتذہ مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا اختر احسن اصلاحی، مولانا ابواللیث اصلاحی، مولانا صدرالدین اصلاحی۔

جامعۃ الفلاح کی صدارت ۱۹۹۱ء سے ۳ اکتوبر ۱۹۹۳ء تک۔

غزل

ادریس ضیاء
(کلاتھ مارکیٹ اعلیٰ پور، بدایوں)

کم ظرف ہیں خوف آب اگر ڈھونڈ رہے ہیں
تالاب کے پانی میں گہر ڈھونڈ رہے ہیں

ماحول ہے شعلوں کا مگر ڈھونڈنے والے
اخبار میں پھولوں کی خبر ڈھونڈ رہے ہیں

پہلے تو گریزاں تھے بہت میرے سفر سے
اب لوگ مری گرد سفر ڈھونڈ رہے ہیں

ہیں اپنے ہی دروازے پہ حیراں لوگ پریشاں
جیسے وہ کسی اور کا گھر ڈھونڈ رہے ہیں

منزل کا نشاں پائیں گے کیا ایسے مسافر
جو سائے کو دوران سفر ڈھونڈ رہے ہیں

دن رات سفر کرتے ہیں تھکتے نہیں پھر بھی
کیا چیز ضیاء شمس و قمر ڈھونڈ رہے ہیں

رخصت ہونے والے نائب صدر مولانا عمران خان صاحب فلاحی

ایک نظر میں

نام۔ محمد عمران خان۔ ولدیت۔ محمد کامل مرحوم۔ سن و مقام پیدائش ۲؍اکتوبر ۱۹۵۵ء بریا
جامعۃ الفلاح میں اس وقت داخلہ لیا جب یہ صرف تین تک مکتب "مکتب اسلامیہ" کی شکل
میں تھا، جوں جوں جامعہ میں آگے کے درجات کھلتے گئے، اس میں داخل ہوتے رہے اس
دوران یہ مکتب اسلامیہ" جامعہ اسلامیہ اور جامعہ اسلامیہ سے جامعۃ الفلاح بنا ۱۹۷۲ء
کے آخر میں جامعۃ الفلاح سے فراغت ہوئی ۱۹۸۰ء کی ابتداء میں اس وقت کے صدر جامعہ مولانا
محمد شہباز صاحب اصلاحی کی ہدایت اور ایما پر جامعہ میں شعبۂ ثانوی کے استاد ہوئے اور اگلے سال
شعبۂ عربی میں منتقل ہو گئے، اب تک جامعہ میں استاد ہیں۔ ۲۷؍ستمبر ۱۹۸۱ء سے ۱۹؍اکتوبر ۱۹۸۵ء
تک مولانا عبدالحسیب صاحب اصلاحی اور مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی کی صدارت میں نائب
صدر جامعہ رہے اور اسی دوران ۲۴؍جون ۱۹۸۵ء تا ۱۹؍جولائی ۱۹۸۵ء نگران اعلیٰ بھی رہے دوبارہ
۲۰؍جولائی ۱۹۹۱ء تا ۳۰؍اکتوبر ۱۹۹۳ء مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی کی صدارت میں نائب
صدر رہے۔ ۱۹۸۵ء میں حج بیت اللہ کا سفر کیا ۱۹۸۹ء میں جماعت اسلامی کے رکن بنے۔
۱۹۹۲ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی طرف سے ہندوستان میں منعقد ہونے والے پہلے تدریسی کیمپ منعقدہ
جامعہ دارالعلوم سلفیہ میں شرکت کی۔ علم نحو آپ کا خاص فن ہے

انجمن طلبہ قدیم کے تاسیسی ممبروں میں اور ابتداء سے اب تک اس کی شوریٰ کے
رکن ہیں اس کے پہلے خازن بھی بنے، ۳۰؍اکتوبر ۱۹۹۳ء میں انجمن کے سکریٹری منتخب ہوئے
گذشتہ میقات میں فلاح کی مقامی جماعت کے خازن رہے۔ "امدادِ باہمی فنڈ" جامعۃ
الفلاح کی شوریٰ کے ابتداء سے ممبر کے علاوہ دو میقات سے اس کے خازن بھی ہیں۔

نو منتخب صدر مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب

ایک نظر میں

نام: رحمت اللہ اثری۔ ولدیت: مولانا قمر الہدیٰ صاحب مرحوم۔ سن پیدائش
۱۰؍اکتوبر ۱۹۵۲ء مقام پیدائش دملہ، کمتول، مدھوبنی بہار۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ اسلامیہ
محمود العلوم دملہ میں۔ ۱۹۶۲ء میں مدرسۃ الاصلاح میں عربی سوم میں داخلہ لیا۔ اسی سال کے
آخر میں جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ منتقل ہو گئے۔ وہاں سے ۱۹۶۳ء میں جامعۃ الفلاح
میں عربی سوم میں داخلہ لیا۔ مولانا ابوالمکارم صاحب فلاحی کے بعد ۱۹۶۶ء میں جمعیۃ الطلبہ کے دوسرے
سکریٹری بنے اور اسی سال جامعہ سے فضیلت کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد ۱۹۶۶ء
میں مولانا جلیل احسن ندویؒ کی رہنمائی میں چند ماہ عربی ادب اور قرآنیات میں اختصاص
کیا، پھر سال کے آخر میں شعبۂ ثانوی جامعۃ الفلاح میں استاد ہوئے ۱۹۶۸ء میں شعبۂ عربی میں
منتقل ہو گئے ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۶ء جامعہ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۹۷۶ء ہی میں
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ ہو گیا وہاں چار سال "کلیۃ الدعوۃ واصول الدین"
اور پانچ سال ماجستر (ایم، اے) کی تکمیل میں لگے۔ کلیہ میں "خصائص العبادات الاسلامیۃ"
اور ماجستر میں "طائفۃ البوہرۃ۔ تاریخہا وعقائدہا" پر مقالے لکھے ۱۹۸۶ء میں ہندوستان
واپسی ۱۹۸۶ء اور ۱۹۹۶ء میں جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو میں مبعوث رہے اور اسی دوران جمعیۃ
الفلاح الخیریہ کویت کی طرف سے دارالفلاح امور کی جو بہو کا شرف خاص رہے۔ ۱۹۸۸ء میں جامعۃ
الفلاح استاد اور طلبہ کے نگران اعلیٰ کی حیثیت سے آ گئے اور ۱۹۹۱-۹۲ء اور ۱۹۹۳-۹۴ء کے تعلیمی سیشن
کے علاوہ مستقل نگران اعلیٰ رہے۔ انجمن طلبہ قدیم کے مؤسسین اور دستور ساز کمیٹی میں رہے ۱۹۸۰ء
میں انجمن کی پہلی شوریٰ کے رکن بنے، دوسری بار ۱۹۸۵ء میں شوریٰ کے رکن ہوئے۔ ۳۰؍اکتوبر
۱۹۹۳ء کو انجمن کے صدر بنے۔ جماعت اسلامی کی رکنیت ۱۹۹۰ء میں منظور ہوئی۔ عربی زبان و
ادب پسندیدہ موضوع ہے۔ یکم نومبر ۱۹۹۳ء کو جامعہ کے صدر کی حیثیت سے تقرری عمل میں
آئی۔

محمد اسماعیل فلاحی

جامعہ کے لیل و نہار

صدارت کی تبدیلی

انتظامیہ کے اجلاس کے موقع پر مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب نے معذوری ظاہر کرتے ہوئے جامعہ کی صدارت سے استعفیٰ دیا۔ موصوف کا موقف یہ تھا کہ مجلس عاملہ، مجلس تعلیمی، مجلس منتظمہ اور ناظم سب کی مدت کارکردگی تین سال ہے پرانے دستور جامعہ میں صدر کی بھی مدت کارکردگی تین سال تھی۔ بعد میں حذف کر دی گئی۔ حالانکہ اس کی بھی مدت متعین ہونی چاہئے تاکہ اہل تر کے آنے کی ہمیشہ گنجائش باقی رہے۔ اس طرح جمہوریت باقی رہتی ہے۔ میری صدارت کو بھی تین سال ہو رہے ہیں اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اب کوئی دوسرا آئے اور اس ذمہ داری کو سنبھالے، مجلس عاملہ نے موصوف کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انکا استعفیٰ منظور کر کے مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب کو جامعہ کا نیا صدر منتخب کیا۔

مولانا رحمت اللہ اثری صاحب نے یکم نومبر ۲۰۰۳ء کو صدارت کا چارج لے لیا۔ اس موقع پر سابق صدر جامعہ مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب نے اساتذہ کے ساتھ ایک پروگرام میں اساتذہ کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ان کا تعاون کیا اور انہیں کبھی عدم تعاون کا احساس نہیں ہوا۔ اساتذہ سے انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ اسی طرح وہ نئے صدر کا بھی تعاون کریں گے۔ سمع وطاعت اجتماعیت کی روح ہے، خود مولانا موصوف نے بھی اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ طلبہ سے بھی مولانا نے اسی طرح سمع وطاعت اور نظم وضبط کا پاس ولحاظ رکھنے کی باتیں کہیں۔ مولانا نے طلبہ واساتذہ سے معذرت ظاہر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ ذمہ دار کے لئے بعض اوقات بعض مسائل میں کوئی ایسا فیصلہ کرنا جس سے سب لوگ مطمئن ہوں

بڑا دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کسی کی دل شکنی ہوئی ہو تو وہ معذرت خواہ ہیں۔

نو منتخب صدر مولانا رحمت اللہ اثری صاحب نے اساتذہ کی مجلس میں سابق صدر کی خدمات کو سراہتے ہوئے اس بات کا اظہار کیا کہ جن نازک حالات میں انہوں نے جامعہ کی صدارت قبول کی تھی اور جس طرح سے جامعہ کی انہوں نے خدمت کی ہے، یہ ان کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ نو منتخب صدر نے اس بات کا اعتراف کیا کہ میں قطعاً اس گرانبار ذمہ داری کا اہل نہ تھا، مجھ سے لائق اور فائق افراد موجود تھے لیکن مجھے مجبوراً اسے قبول کرنا پڑا ہے، موصوف نے فرمایا میں کس حد تک اس ذمہ داری کو نبھا سکوں گا اور مجھ سے کیا خدمت ہو سکے گی، یہ میرے لئے کہنا بڑا مشکل ہے۔ اگر میں کچھ کر سکا تو یہ آپ ہی کے تعاون سے ممکن ہے۔ آپ میں میرے بزرگ اساتذہ بھی ہیں، کچھ میرے ساتھی بھی ہیں اور کچھ میرے شاگرد بھی جو اب اساتذہ کی صف میں ہیں، میرے اساتذہ مجھے حکم دے سکتے ہیں، روک سکتے ہیں ٹوک سکتے ہیں، اپنے ساتھی اور شاگرد اساتذہ سے بھی میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ جب جہاں جو مناسب سمجھیں گے مشورہ دیں گے اور رہنمائی کریں گے

مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ سابق صدر مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی اور نائب صدر مولانا محمد عمران خاں صاحب فلاحی کا خاص تعاون انہیں حاصل ہوگا اور ان کے تجربات سے بھرپور استفادہ کا موقع ملے گا اساتذہ کی مجلس میں نائب صدر مولانا محمد عمران خاں صاحب فلاحی نے بھی اساتذہ سے معذرت کرتے ہوئے نو منتخب صدر کو ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا۔

نو منتخب صدر نے طلبہ سے اپنے پہلے خطاب میں انہیں یاد دلایا کہ وہ کیا مقصد ہے جس کے لئے وہ جامعہ آئے ہیں اور گھر اور والدین کی دوری گوارا کی ہے، انہیں وہ مقصد ہمیشہ نگاہوں کے سامنے رکھ کر اپنی سرگرمیوں کا جائزہ لینا چاہئے اور اس وقت کی قدر کرنی چاہئے جو سب سے قیمتی اثاثہ ہے۔ یہ کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان کا تعلق خدا سے مضبوط نہ ہو۔ تعلق باللہ کا سب سے بہتر اور موثر ذریعہ نماز ہے۔

نماز کا سب سے بڑھ کر اہتمام ان کا وصف خاص ہونا چاہئیے ۔ ان کو اگلی منزل سے قریب کرنے ان کے وقت کو مربوط اور منظم کرنے اور خدا سے ان کے تعلق کو مضبوط کرنے کیلئے جامعہ نے اپنا ایک نظام ترتیب دیا ہے ، اس نظام کی پابندی اور اس کا احترام انہیں کے مفاد کا تقاضا ہے ، اس نظام پر گفتگو کی جا سکتی ہے لیکن جب تک جو نظام ہے وہ قابل احترام ہے ۔

مجلس تعلیمی اور مجلس منتظمہ کے اجلاس

۲۱ راکتوبر ۹۲ء کو حسب پروگرام مجلس تعلیمی کا اجلاس شروع ہوا ۔ مدت تعلیم پر پچھلے اجلاس سے غور و خوض جاری تھا ۔ مجلس تعلیمی نے ہر پہلو کا جائزہ لیکر حسب سابق عالمیت کی مدت پانچ سال اور فضیلت کی مدت دو سال کر دینے کی سفارش کی نیز نصاب تعلیم میں کچھ مفید تبدیلی کی بات رکھی جس کی مجلس منتظمہ (منعقدہ ۲۳ اور ۲۴ راکتوبر ۹۲ء) نے توثیق کر دی ۔

رکن انتظامیہ جناب عبد الحمید پانڈے صاحب نے مجالس عاملہ ، تعلیمی اور منتظمہ سے ضعیفی کی بنا پر استعفا دیا مجلس منتظمہ میں موصوف کی جگہ پر سکریٹری تعلیمات جماعت اسلامی ہند و سابق صدر ایس آئی او جناب محمد اشفاق صاحب بی ایس سی بی ایڈ منتخب ہوئے ۔ مجلس عاملہ میں موصوف کی جگہ پر جناب ماسٹر امتیاز احمد صاحب اعظم گڑھ اور مجلس تعلیمی میں جناب عبید اللہ فہد فلاحی صاحب علی گڑھ کا انتخاب عمل میں آیا ۔

ان اجلاسوں میں شرکت کیلئے مقامی ممبران کے علاوہ ، باہر سے مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب سکریٹری ادارہ تحقیق و تصنیف ، مولانا کوثر یزدانی صاحب ایڈیٹر کانتی دہلی ، جناب محمد اشفاق صاحب سابق صدر ایس آئی او ، مولانا نسیم احمد غازی فلاحی صاحب مدھر سندیش سنگم اور مولانا مقبول احمد فلاحی صاحب شانتی سندیش سنگم گورکھپور تشریف لائے ۔

مولانا جلال الدین انصر عمری صاحب کا خطاب

مجلس منتظمہ اور مجلس تعلیمی میں شرکت کیلئے علی گڑھ

سے تشریف لائے ہوئے ممتاز عالم دین ، معروف مصنف ، سکریٹری ادارہ تحقیق و تصنیف اور موقر جماعت اسلامی ہند کے نائب امیر برائے تربیت جناب مولانا سید جلال الدین انصر عمری صاحب کی تشریف آوری کو غنیمت سمجھتے ہوئے ان کے مختلف پروگرام رکھے گئے ۔ انہوں نے طلبہ سے خطاب کیا انہیں انکی ذمہ داریاں یاد دلائیں ، وقت کا صحیح استعمال درسی کے ساتھ غیر درسی کتابوں کا مطالعہ اور تجربوں کے احترام پر بطور خاص زور دیا ۔ جمعہ کا خطبہ بھی آپ نے دیا اور ایمان کی حرارت تیز کرنے نیز عمل صالح کے وسیع مفہوم کو دل و دماغ میں اتار کر عمل کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی ۔ ان کے اعزاز میں ۲۴ راکتوبر ۱۹۹۲ء کو آخری دو گھنٹوں میں طلبہ کو چھٹی دیکر اساتذہ کرام کی ایک نشست رکھی گئی ۔ موصوف نے گفتگو کے دوران اللہ تعالیٰ کا اس بات پر شکر ادا کیا کہ ہم سب کا تعلق اللہ کے فضل و کرم سے ایسی تحریک سے ہے جو اس سرزمین پر اسلام کو سربلند کرنا چاہتی ہے ، کتنا بڑا ہے یہ کام ، کہنے کیلئے تو ایک منٹ اور دو منٹ میں انسان یہ جملہ کہہ دیتا ہے ۔ اس عظیم کام کے لئے جہاں دوسری تدبیریں اختیار کی گئیں وہیں ایسی درسگاہوں کے قیام پر بھی توجہ کی گئی جن کا ذہنی سانچہ اسی فکر کے مطابق ہو اور جن کے پیش نظر اعلائے کلمۃ اللہ کا صالح جذبہ ہو ، موصوف نے کیرلہ کی درسگاہوں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے یہ بات کہی کہ مجھے کیرلہ کی درسگاہوں کا تفصیلی علم نہیں ہے ، بقیہ پورے ملک کی درسگاہوں میں دین اور دنیا کے علوم کے اس سنگم جامعۃ الفلاح کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے اور یہ اعلیٰ تعلیم کی واحد درسگاہ ہے جس کے اندر تحریک کی روح اور تحریک کی فکر ہے ۔ جس نے پوری دنیا کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے ، اقامت دین کیلئے افراد تیار کرنے کا اپنے کو مرکز بنایا ہے ۔

موصوف نے اساتذہ کی ذمہ داری یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ ذرا سوچئے ہم کہتے ہیں اقامت دین ہمارا مقصد ہے اللہ تعالیٰ نے ان طلبہ کو ہمارے سپرد کرکے کہا او یہ چھوٹی دنیا تمہارے حوالہ کی جاتی ہے ۔ یہ چند سو اور چند ہزار بچے ہیں جو تمہاری تحویل میں دیئے جا رہے ہیں ، اگر ہم وہ پاکیزہ جذبہ یہاں نہیں ابھار سکے اور وہ خوشگوار فضا یہاں نہیں پیدا

کر سکے جو اقامت دین کے نصب العین سے وابستگی کیلئے ضروری ہے اور خدا نخواستہ بدقسمتی سے ہمارے یہاں بھی عام درسگاہوں کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تو ہمارے لئے بڑے گھاٹے کی بات ہوگی اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اس جامعہ سے ہمارے اساتذہ کی وابستگی کا مقصد دال روٹی کا نظم کرنا نہیں ہے، اللہ رزق رساں ہے کہیں بھی یہ نظم ہوسکتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ یہاں آنے ملنے جلنے اور رہنے کے بعد یہ احساس نہیں ہوتا کہ ہم لوگ اسی فکر میں اس حد تک ڈوبے ہوئے ہیں جیسا کہ اس مقصد سے وابستگی کا تقاضا ہے ہمیں ایسی فضا پیدا کرنی چاہئے کہ ہم کہہ سکیں کہ دین یہ ہے، سیرت اسے کہتے ہیں، وہ اخلاق جو اسلام کو مطلوب ہے وہ یہ ہے، تم اگر دیکھنا چاہتے ہو تو یہاں آؤ اور دیکھو۔

مولانا نے یہ بات واضح کی کہ نصب العین اور مقصد کبھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ادارے دیر میں ختم ہوتے ہیں، مقاصد پہلے قربان ہوتے ہیں۔ مقاصد باقی ہوں تو آدمی جان پر کھیل کر بھی اداروں کو بچا لیتا ہے۔ مولانا نے یہ بات بھی بار بار زور دے کر فرمائی کہ یہ سچ ہے کہ نظام تعلیم و تربیت کے درست رکھنے کی ذمہ دار مجلس منتظمہ ہے اور بالواسطہ طور سے جماعت پر بھی یہ ذمہ داری ہے لیکن سب سے بڑھ کر ذمہ داری آپ اساتذہ کی ہے۔ اگر آپ طے کرلیں کہ فضا ایسی ہوگی، تعلیم اس طرح ہوگی، تربیت کا یہ نقشہ ہوگا تو پھر کوئی آپ کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ بنیادی کردار آپ ہی کو ادا کرنا ہے۔

جمعیۃ الطلبہ کا سمینار

جمعیۃ الطلبہ جامعۃ الفلاح نے ۲۵ اور ۲۶ / نومبر ۱۹۹۳ء کو ایک سمینار کے انعقاد کا اہتمام کیا ہے جس کا مرکزی موضوع علوم القرآن ہے۔ اصول تفسیر، نظم قرآن، مکی و مدنی سورتوں کا باہمی تعلق، اعجاز قرآن، قرآن کی تفسیر میں حدیث کا مقام وغیرہ ذیلی عناوین ہیں۔ اس سمینار میں مختلف مدارس کے طلبہ کے نمائندوں کی شرکت متوقع ہے۔ اس موقع پر ایک سمپوزیم بعنوان "ملک و ملت کی تعمیر میں طلبہ اور نوجوانوں کا کردار" اور ایک خطاب عام کا بھی اہتمام جمعیت کر رہی ہے۔

توقع ہے کہ جناب مولانا رفیق احمد صاحب قاسمی لکھنؤ مولانا عبدالمجید صاحب اصلاحی

بھراج پور، اعظم گڑھ، مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی صاحب اصلاحی جامعہ، مولانا [illegible] اصلاحی مدرسۃ الاصلاح، ڈاکٹر ریاض احمد صاحب پرنسپل شبلی کالج اور دیگر علماء و [illegible] اپنی تشریف آوری سے اس پروگرام کو زینت بخشیں گے۔

انہی تاریخوں میں جمعیۃ الطالبات کلیۃ البنات کا تعلیمی مظاہرہ بھی ہونا متوقع ہے جس کا خاص مقصد فارغات جامعۃ الفلاح کو منظم کر کے مقاصد جامعہ کے حصول کی راہ ہموار کرنا ہے۔

چلتے چلتے

نو منتخب صدر جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری صاحب فلاحی نے اپنی معاونت کے لئے مولانا محمد سلامت اللہ صاحب اصلاحی کو اپنا نائب بنایا ہے۔ موصوف انکی عدم موجودگی میں ان کے قائم مقام بھی ہوا کریں گے۔ مولانا محمد سلامت اللہ صاحب اصلاحی مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی صاحب اصلاحی کے برادر خورد اور جامعہ کے قدیم استاد ہیں۔ مولانا نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے لیسانس اور جامعہ ام القری مکہ سے ماجستر کیا ہے۔

فلاحی برادری کے لئے یہ خبر خوش کن ہوگی کہ جامعہ کے ایک پرانے استاذ اور سابق صدر جامعہ مولانا محمد شہباز صاحب اصلاحی ہندی جمعیۃ الطلبہ جامعۃ الفلاح کے سمینار میں اپنی تشریف آوری سے رونق بخش رہے ہیں، موصوف ان دنوں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ممتاز اور اکابر اساتذہ میں ہیں۔

بقیہ: فتاوی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو قبروں کی زیارت کے وقت یہ تعلیم دیتے اور کہنے کی تلقین کرتے۔

السلام علیکم اہل الدیار من	اے اس دیار کے مومن اور مسلمان
المؤمنین والمسلمین وانا ان شاء	باسیو تم پر سلام ہو ان شاء اللہ ہم تم سے
اللہ بکم لاحقون، نسأل اللہ	ملنے والے ہیں ہم اللہ سے اپنے اور
لنا ولکم العافیۃ (مسلم)	تمہارے لئے عافیت کی درخواست کرتے ہیں۔

رودادِ انجمن

محمد اسمٰعیل فلاحی

۲۱ اور ۲۲ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو انجمن کی شوریٰ کا اجلاس ہوا جس میں مولانا رحمت اللہ الاثری صاحب فلاحی، مولانا محمد عمران خاں صاحب فلاحی، مولانا ابوالمکارم صاحب فلاحی، مولانا انصار احمد صاحب فلاحی، مولانا انور محمد صاحب فلاحی، مولانا نسیم غازی صاحب فلاحی، مولانا انوار حسین صاحب فلاحی، مولانا مقبول احمد صاحب فلاحی، مولانا عبید اللہ فہد صاحب فلاحی، مولانا عبدالباری صاحب فلاحی ممبران شوریٰ کے علاوہ بحیثیت مشاہد مولانا سطیع اللہ صاحب فلاحی اور مولانا محمد اکرم صاحب فلاحی شریک ہوئے۔

مولانا ظہیر عالم صاحب فلاحی، مولانا شبیر احمد صاحب فلاحی شریک نہیں ہو سکے ان کی جانب سے کوئی اطلاع نہ مل پائی۔ البتہ مولانا معین الدین صاحب فلاحی کا معذرت نامہ موصول ہوا۔ پچھلی کارروائی کی خواندگی کے بعد طے ہوا کہ انجمن طلبہ قدیم کے صدر کو انتظامیہ کے اجلاس میں مدعو خصوصی کی حیثیت سے بلائے جانے کی بابت اس سے قبل جو گزارش کی گئی تھی اس کی یاد دہانی کرائی جائے۔ انجمن ہاؤس کے لئے زمین کی تعیین اور تعمیر کے سلسلہ میں ناظم صاحب سے درخواست کی جائے۔ فیملی کوارٹرس کا مسئلہ انتظامیہ کے اجلاس میں بالخصوص پیش کیا جائے کہ اس سلسلہ میں پچھلی کارروائیوں کی بابت کیا پیش رفت ہوئی۔ یہ بھی طے پایا کہ انجمن جامعہ کے ذمہ داروں سے تخصص فی الدعوۃ کی کلاسیں شروع کرانے کی سفارش کرے گی اور ہندی زبان کے لئے الگ سے ایک جز وقتی ڈپلوما کورس شروع کرانے اور اس میں شریک طلبہ کیلئے وظائف اور فراغت کے بعد اسناد فراہم کرنے کی کوشش کرے گی۔

پانچویں اجلاس عام کی کیسٹ نومبر ۱۹۹۳ء تک تیار کرا کے انجمن کے حوالہ کرنا مولانا مقبول احمد صاحب فلاحی کے ذمہ طے پایا اور فارغین جامعہ کی علمی کاوشوں کو یکجا کرنے کے سلسلہ میں محمد اسمٰعیل فلاحی اور جناب عبدالبر اثری صاحب فلاحی کو ذمہ داری سونپی گئی۔

یہ بات بھی طے ہوئی کہ قمری تاریخوں کو خط و کتابت وغیرہ میں رائج کیا جائے گا۔ انجمن نے

ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ میں پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو انعامات کے لئے رقم حسب سابق اس بار بھی مختص کی گئی۔

بعض تجاویز اور مشورے بھی آئے۔ (الف) فارغین کی علمی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لئے جامعہ اپنی نگرانی میں ریسرچ سنٹر قائم کرے، خصوصاً "قرآن" جو ہمارا طرۂ امتیاز رہا ہے اور "تقابل ادیان" پر جو ہماری دعوتی تحریک کی بھی ضرورت ہے۔ اسی طرح اس کے ذریعہ اچھے نصاب تعلیم کی راہ بھی ہموار کی جا سکتی ہے۔

(ب) دیگر مدارس سے روابط اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ہر سال بین المدارس انعامی مقابلے کرائے جائیں۔ اس کے ذریعہ جہاں انہیں قریب لایا جا سکتا ہے وہیں ہم انہیں مختلف تعلیمی موضوعات پر دعوت فکر و عمل بھی دے سکتے ہیں۔

(ج) جامعۃ الفلاح کے طلبہ کے لئے جو "جائزۃ الامام جلیل احسن الندویؒ" کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا اسے برابر جاری رکھا جائے۔

(د) ہندوستان کے ان مقامات پر انجمن کی یونٹ قائم کی جائے جہاں قدیم طلبہ فلاح کی معتد بہ تعداد موجود ہو اور ان سے صدر و سکریٹری برابر ربط رکھیں۔

(ہ) مرکزی ذمہ داران دورے کر کے فلاحی برادران کی سرگرمیوں کا جائزہ لیں اور ان کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دیں۔

(و) سابق طلبہ کو ملک گیر سطح پر باقاعدہ منظم کر کے ان کی صلاحیتوں کے مطابق ان سے دعوتی کام لیا جائے۔

۱۰ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو انجمن طلبہ قدیم دہلی یونٹ کی میٹنگ ہوئی ایجنڈا کے مطابق جناب مشرف حسین صاحب فلاحی، جناب نعیم غازی صاحب فلاحی، جناب وسیم غازی صاحب فلاحی اور جناب ریاض احمد صاحب فلاحی کے والد کے حادثاتی انتقال پر ملال پر ایک قرارداد منظور کی گئی۔

اس موقع پر مرکزی مجلس شوریٰ انجمن کے اجلاس کیلئے یہ مشورہ سامنے آیا کہ صدر انجمن کو بحیثیت مجلس انتظامیہ جامعۃ الفلاح کا مستقل رکن بنانے کی سفارش اور اس سلسلہ میں مشاورتی کارروائی کی پیش رفت معلوم کی جائے۔

حلقہ یاراں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ آپ، تمام متعلقین کے ساتھ، بخیر ہونگے۔

عنایت نامہ، مورخہ ۲۰/۹/۹۲ء مجھ کو ۳۰/۹/۹۲ء کو ملا، یاد آوری و زحمت فرمائی کا بہت بہت شکریہ۔ لفافہ دیکھکر پہلے تو میں سہم سا گیا، سوچا کہ کوئی خطا تو نہیں ہو گئی، اسلئے کہ

مجھ تک کب انکی بزم میں آتا تھا دور جام

یہ پہلا خط تھا، جو اس سمت سے، میرے نام آیا تھا، کھولا، اطمینان ہوا، مخدوم و مکرم، مولانا جلیل احسن ندوی مرحوم کے متعلق، اس وقت کیا عرض کروں۔؟ مولانا کا جب انتقال ہوا، تو میں نے، چند تاثرات پر مبنی، ایک طویل خط، اس وقت کے مدیر محترم کے نام ارسال کیا، مگر کسی نے نوٹس نہیں لیا، وہی ہے

کسی نے مول نہ پوچھا، دل شکستہ کا
کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا

پھر میں انتظار کرنے لگا کہ "احسن نمبر" نکلے تو کچھ عرض کروں، مگر اسکو نہ نکلنا تھا اور نہ نکلا، مگر حیرت اس پر ہوئی کہ ان کے مرنے کے بعد مرنے والوں کے نمبر نکلے، یعنی ہے

"منزل انہیں ملی، جو شریک سفر نہ تھے"۔

میں اتنا دل برداشتہ ہوا کہ "وہاں کے ایک استاد سے" بعد میں، یہ کہہ بیٹھا کہ کیا "احسن نمبر" گروہ بندی کی نظر ہو گیا؟ موصوف، کوئی جواب نہ دے سکے اور جھینپ کر رہ گئے میں بھی خاموش ہو گیا۔ آپکا حکم، سر آنکھوں پر، مگر جو نشاط، غارت ہو چکا ہے، وہ پھر بحال ہو تو کچھ بات بنے، داستان غم طویل ہے پھر کبھی۔ جملہ پرسان حال کی خدمت میں، سلام و دعا عرض ہے۔

والسلام
دعاگو و طالب دعا۔ عبدالرحمٰن اعظمی ملا ناگی

باسمہٖ تعالیٰ

برادر مکرم جناب حافظ محمد اسمٰعیل صاحب

مدیر اعلیٰ" ماہنامہ حیات نو" جامعۃ الفلاح

امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔

"حیات نو" کا تازہ شمارہ استاد مکرم جناب عمران صاحب کے ذریعہ ملا۔ غالباً یہ پہلا شمارہ ہے جو اتنی جلدی ملا۔ لندن میں تو دو تین ماہ میں ایک ملتا ہے۔ معلوم نہیں ایسا کیوں ہے۔

مذکورہ شمارہ میں برادر مکرم کلیم احمد غازی صاحب پر تعزیتی تحریر نظر سے گذری۔ اس میں سہواً برادر وسیم غازی کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ انہوں نے عالمیت پاس کیا تھا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ وسیم میرے کلاس فیلو تھے اور ذہین طالب علم تھے۔ انہوں نے فضیلت تک تعلیم مکمل کی تھی۔ ان کے بڑے بھائی شمیم غازی البتہ درمیان میں ہی تعلیم ترک کرکے چلے گئے تھے۔ حیرت کا پہلو یہ ہے کہ یہ غلطی وہاں ہوئی جہاں انجمن کا صدر دفتر ہے۔ ریکارڈ چیک کیا جا سکتا تھا۔

اساتذہ و احباب کو سلام عرض کریں۔

والسلام
نیاز مند۔ رضوان (لندن)
حال مقیم پھولپور

بقیہ: توجہ مطلوب ہے۔

چاہیے جو بہتر اور دائمی ہے!

یہ واقعہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ عقلمند سرپرست وہ ہے جو اولاد کی تعلیم کو اپنے لئے ذخیرۂ آخرت بنانے کی کوشش کرے خواہ دوسری جانب کتنی ہی کشش ہو۔

کاش ہر ایک سرپرست ذخیرۂ آخرت بنانے کی نیت سے اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلاتے تو ان کی اور بچوں کی آخرت بھی سنور جاتی اور دنیا میں بھی ہمہ گیر اسلامی انقلاب برپا ہو جاتا۔ اللہ توفیق بخشے آمین۔